تقلید کی حقیقت
تالیف
ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ
النعمان سوشل میڈیا سروسز

یہ رسالہ کتاب آثار التشریع سے لیا گیا ہے

تقلید کی حقیقت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:۔

دنیا کے ہر دائرہ زندگی میں لوگ اس کے ماہرین فن پر اعتماد کرتے ہیں. مقدمات میں وکیلوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے. قانون کا مطالعہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں. علاج میں ڈاکٹروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اس لائن کا علم بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں. اسی طرح دین کا جزئی جزئی کا علم بھی صرف ماہرین فن کے پاس ہوتا ہے. ہر عامی و جاہل کی اس تک رسائی نہیں. مگر دین چونکہ سب لوگوں کے لیے ہے اور سب اس کے مکلف ٹھہرے تو اس میں صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جو لوگ اس فن کے جاننے والے نہیں اور وہ دین کو اس کے ماخذوں سے نہیں سمجھتے وہ اس کے جاننے والے ماہرین کے پیچھے چلیں اور ان کے فتووں پر اس اعتماد سے عمل کریں کہ یہ کتاب و سنّت کے مطابق ہوں گے اور خود اُن سے دلائل کی بحث میں نہ اُلجھیں. کیونکہ یہ فن کو جاننے والے نہیں ہیں اور اگر یہ اس فن میں دخل دیں گے تو پھر ان جاہلوں سے بڑے بڑے عجائب صادر ہوں گے اور دُنیا الامان والحفیظ پکارے گی۔

فان المرء اذا اتیٰ علیٰ غیر فنہ اتی بالعجائب

قومیں اسی وقت تک قومیں بنی رہتی ہیں جب ان میں کچھ اخلاقی ضابطوں کی پابندی ہو. کچھ بڑے ہوں جو ذمہ داریاں سنبھالیں اور کچھ چھوٹے ہوں جو ان کے پیچھے چلیں. مادر پدر آزاد لوگ. ایک بھیڑ تو ہو سکتے ہیں ایک قوم نہیں ہو سکتے ؎

راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است

معنی تقلید ضبط ملّت است

تقلید ہر فن کے اہل کمال کی پیروی کا نام ہے۔ سارے صحابہؓ فقیہ اور عالم نہ تھے۔ وہ ان کے پیچھے چلے جو ان میں فقہاء اور علماء تھے۔ تابعین سارے ائمہ فن نہ تھے۔ وہ ان کے پیچھے چلے جو اُن میں ائمہ فن تھے اور دین کا سلسلہ ہمیشہ اجتہاد اور تقلید میں دائر رہا۔ تقلید نہ کبھی ناجائز سمجھی گئی نہ اسے کبھی ملت سے خروج گردانا گیا۔ نہ کبھی ایسے ہوا کہ سب لوگ مجتہد بن گئے ہوں۔

صحابہؓ اور تابعینؒ میں تقلید سالہا سال غیر معین طور پر چلتی رہی اور عوام دلیل کی بحث میں پڑے بغیر اکابر ائمہ فن پر اعتماد کرتے رہے اور ان کی پیروی میں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں اس نے کچھ مستقل مکاتب فکر کی صورت اختیار کر لی اور ان ادوار میں کسی عالم دین نے عامی کے لیے مجتہد کی پیروی کو گناہ نہیں سمجھا۔

تقلید کی تعریف

لفظ تقلید آزاد روی کے مقابلہ میں ہے۔ قرآن و حدیث میں تفسیر اور تشریح میں بہت مختلف باتیں کہی جا سکتی ہیں، اس پر ہر شخص کو آزاد چھوڑا جائے تو ملتِ اسلامی کبھی ایک قوم کے درجہ میں نہ آ سکے گی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ میں فروعی مسائل میں بڑے بڑے اختلافات ہوئے۔ مگر چونکہ ان میں خیر غالب تھی وہ امت کے لیے فتنہ نہ بن سکے۔ آئندہ لوگوں کو اس آزاد روی سے بچانا تھا اور اس کی تعلیم خود صحابہؓ دے چکے تھے۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو باوجودیکہ وہ مجتہد کے درجہ میں تھے ان پر سیرت شیخینؓ کی پیروی لازم کی گئی۔ حضرت معاویہؓ باوجودیکہ نہایت بلند پایہ فقیہ تھے۔ انہیں خلیفہ بناتے ہوئے حضرت امام حسنؓ نے سیرت خلفائے صالحین کا پابند کیا۔ تابعینؒ میں فقہاء تابعینؒ کی اتباع جاری رہی اور اسی اتباع نے آگے چل کر تقلید کا نام پایا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں[۱]

---

[۱] سبیل الرشاد صـ۲۷

تقلید کے علمبردار کون ہیں؟ مقلد یا غیر مقلد؟ ـــ ظاہر ہے کہ مقلد ہی تقلید کے داعی اور علمبردار ہیں. سو تقلید سے جو وہ مراد لیتے ہیں اس کا اعتبار نہ ہو گا نہ کہ غیر مقلدوں کی تشریح کا ـــ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تقلید تو مقلدین کریں اور تقلید کا معنی غیر مقلدین طے کریں. صاحب البیت ادری بمافیہ کے ضابطہ اخلاق سے یہ کیسا مذاق ہے.

مقلدین تو اس کا معنی اتباع کا کرتے ہیں اور وہی مراد ہونا چاہیئے. لیکن غیر مقلدین اس کا معنی پٹکا ڈالنا کرتے ہیں. پٹکا ڈالنا کیا ہے کسی کی ماتحتی کا اقرار ـــ اور ظاہر ہے یہ کوئی بری بات نہیں. مگر غیر مقلدین اس لفظ کو برے سے برے پیرائے میں لاکر اپنے دل کا غصہ نکالتے ہیں. کہتے ہیں پٹہ کتے کے گلے میں ہوتا ہے. وہ نہیں سوچتے کہ پٹے والا کتا کن سے جدا اور ممتاز سمجھا جاتا ہے؟ بے پٹہ کتوں سے ـــ وہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس مثال سے وہ اپنے آپ کو کس صف میں لا رہے ہیں. المعترض کی لاعلمی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو گی.

یاد رہے جب کارپوریشن والے یا دیہات سدھارنے والے کتوں کو مارتے ہیں تو پٹے والے کتے کو زہر نہیں ڈالا جاتا، نہ اسے گولی ماری جاتی ہے. اس پٹے نے ان کو وہ وقایہ (بچاؤ) مہیا کیا کہ اب ان کے لیے یہ پٹہ شرح وقایہ ہو گیا ہے. بے پٹے کے کتے کتوں میں بدترین سمجھے جاتے ہیں اور آزاد رو لوگ ضابطوں کے پابند لوگوں کے مقابل آوارہ لوگ کہلاتے ہیں.

تقلید کا لفظ اتّباع کے معنی میں

تقلید کا لفظ ایسا نہیں کہ اس کے سامنے آتے ہی کسی کو اس کی وحشت محسوس ہونے لگے. ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ علمی حلقوں میں یہ لفظ کب سے اور کن معنوں میں استعمال ہوتا چلا آیا ہے. اور کون کون سے جبال علم اسے ان معنوں میں استعمال کرتے آئے ہیں.

حضرت امام شافعیؒ (۱۵۰ھ) میں پیدا ہوئے. آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) کی کئی مسائل میں پیروی کی تو اسے لفظ تقلید سے تعبیر کیا ہے.

قال الشافعی فی مواضع من الحج قلتہ تقلیدًا العطاء[1]۔

ترجمہ۔ امام شافعیؒ نے حج کے کئی مباحث میں کہا ہے کہ میں نے ایسا امام عطاؒ کی تقلید میں کہا ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا۔ قلتہ تقلیدًا العمرؓ میں نے ایسا حضرت عمرؓ کی تقلید میں کہا ہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا۔ قلتہ تقلیدًا العثمانؓ میں نے یہ حضرت عثمانؓ کی تقلید میں کہا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر فرمایا۔ وانما قلت بقول زید[1] میں نے یہ فتوے حضرت زید بن ثابتؓ کے قول پر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہائے صحابہؓ اس دور میں امام سمجھے جاتے تھے اور تابعین اور تبع تابعین میں ان کی تقلید جاری تھی۔ خود امام ابو حنیفہؒ کو دیکھئے۔ پانی اور کنوئیں کے مسائل میں آپ نے اکابر تابعین کے فیصلوں پر فتوے دیئے۔ امام مالکؒ بھی عملِ اہل مدینہ کی پیروی کرتے تھے اور روایت ان کے ہاں دوسرے درجہ میں سمجھی جاتی تھی۔

وھذا ابو حنیفۃ قال فی مسائل الاٰبار لیس معہ الا تقلید من تقدمہ من التابعین وھذا مالکؒ لا یخرج من عمل اھل المدینۃ[2]۔

ترجمہ۔ یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ آپ نے کنوؤں کے مسائل میں فرمایا کہ آپ کے پاس پہلے اکابر کی تقلید کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور یہ امام مالک ہیں جو عملِ اہل مدینہ سے باہر نہیں جاتے۔

ائمہ بھی پہلوں کی تقلید سے آگے چلے ہیں

امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد صرف کتاب و سنت سے آگے نہیں چلے نئے حوادث میں جب انہیں کتاب و سنت سے کوئی صریح بات نہ ملتی یہ اپنے سے پہلے کے مجتہدین کی تقلید کرتے۔ امام بخاری کو لیجئے جب انہیں کسی مسئلہ پر حدیث نہ ملے وہ کس طرح امام حسن بصری اور

[1] اضواء البیان جلد ۷ صد ۵۴۴ [2] ایضاً

ابراہیم نخعی کے اقوال پر آجاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہ اپنے دادا استاد ابراہیم نخعی کے مسلک پر ان کے اقوال پر تخریجات کرتے ہیں جن کو آپ کے شاگردوں میں سے سب سے پہلے امام ابویوسف اور پھر امام محمد نے اپنی تصنیفات میں جمع کیا۔[1]

اس میں اس سوال کا جواب آگیا کہ حضرت امام نے اپنی مشہور رائی فقہ پر خود کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام محمد کی ظاہر الروایۃ کتابیں حضرت امام کی فقہ پر مشتمل ہیں۔ گو کتاب وسنت کی روشنی میں آپ اور امام ابویوسف نے کئی مسائل میں حضرت امام سے اختلاف کیا ہے امام بخاری بھی ہر بات میں حدیث سے نہیں چلتے۔ اجتہادی مسائل میں کبار تابعین کے اقوال اختیار کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں آپ بھی تقلید کے قائل تھے۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

امام بخاری اپنی صحیح میں قال الحسن (البصری) سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح وہ قال ابراهیم وقال نخعی سے بھری پڑی ہے کسی کو ان کی بزرگی سے انکار نہیں صحیح بخاری اور فتح الباری کو مطالعہ میں رکھنے والے علماء اس بات کو خوب پہچانتے ہیں۔ اگر کسی ناقص العلم اور متعصب کو ان کی بزرگی میں کلام ہو تو وہ اپنے دل کا علاج کرائے۔[2]

یہ پہلے فقہاء کی پیروی ان کے فتووں میں ان کی تقلید ہی تو ہے۔ تقلید صحابہ کرام کے فتووں پر اعتماد کرنے سے شروع ہوئی۔ اور لوگ بلا طلب دلیل ان کے فتووں کو بڑے اعتماد سے قبول کرتے آئے۔ امام ابو محمد بن الحسن بن علی بن خلف البربہاری (۳۲۹ھ) ۵[3] کے تحت لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الدین انما هو التقلید والتقلید لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

---

[1] تاریخ اہل حدیث ص۷۴ [2] ایضاً حاشیہ ص۷۴ [3] کتاب شرح السنة ص۲۲

ترجمہ۔ جان لو دین تقلید کا ہی نام ہے اور تقلید اصحاب رسول کی پیروی سے ہی چلی ہے۔

پھر آگے جاکر ن۲۱ کے تحت لکھتے ہیں۔

فاللہ اللہ فی نفسک وعلیک بالآثار واصحاب الاثر والتقلید فان الدین انما ھو التقلید یعنی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ومن قبلنا لم یدعونا فی لبس فقلدھم واسترح ولا تجاوز الاثر واھل الاثر وقف عند متشابہ القرآن والحدیث۔[۱]

ترجمہ۔ ہر وقت اپنے جی میں خدا کو یاد رکھو اور علم آثار اور محدثین اور تقلید کو لازم پکڑو (جو علم والے ہیں وہ حدیث کو اور جو علم والے نہیں وہ تقلید کو لازم پکڑیں) دین ہے ہی تقلید کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اور جو لوگ ہم سے پہلے ہوئے انہوں نے ہمیں کسی التباس میں نہیں رکھا۔ سو ان پہلوں کی تقلید کرو اور آرام سے رہو اور حدیث اور حدیث جاننے والوں سے تجاوز نہ کرنا اور قرآن و حدیث میں جہاں متشابہات کی بات چلے وہاں سکوت اختیار کرنا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں اس لفظ (تقلید) میں کوئی وحشت کا پہلو نہ تھا اور تقلید اس معنی کے اعتبار سے عہد صحابہ میں موجود تھی۔

وھذا النوع من التقلید کان شائعاً فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا خلاف فیہ۔[۲]

ترجمہ۔ اور اس طرح کی تقلید تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی شائع تھی اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

[۱] کتاب شرح السنۃ ص۵۲ [۲] اضواء البیان جلد ۷ ص۴۸۷

ولم تختلف العلماء ان العامة عليها تقليد علمائها وانهم المرادون بقول الله عزوجل فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔[1]

ترجمہ۔ اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام پر علماء کی تقلید لازم ہے اور اس آیت میں (فاسئلوا اھل الذکر) یہی اہل علم مراد ہیں۔

کیا اس دور میں تقلید صرف عام لوگوں کے لیے تھی؟

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) جلیل القدر تابعی حضرت مسروق (۶۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

کان ستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتون الناس. ۱. ابن مسعودؓ ۲. وعمر بن الخطاب ۳. وعلی. ۴. وزید بن ثابت. ۵. وابی بن کعب ۶. وابو موسیٰ الاشعری[2]

ظاہر ہے کہ یہ سب حضرات اونچے درجے کے اہل علم تھے اور ان میں وہ بھی ہیں جو حضور کے زمانے میں بھی فتوے دینے کے مجاز تھے۔ پھر بھی ان میں اپنے اکابر کا بڑا احترام تھا اور ان میں سے تین دوسرے تین کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے۔

وکان ثلثة منهم یدعون قولهم بقول ثلثة. کان عبد اللہ یدع قوله لقول عمرؓ وکان ابو موسیٰؓ یدع قوله لقول علیؓ وکذا زیدؓ یدع قوله لقول ابی ابن کعبؓ.... وقال جندب ماکنت ادع قول ابن مسعودؓ لقول احد من الناس۔[3]

ترجمہ۔ اور ان میں سے تین اپنا قول دوسرے تین بزرگوں کا فیصلہ آنے پر چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ حضرت علیؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے

---

[1] اضواء البیان جلد ۷ صفحہ ۴۹۵ [2] ایضاً صفحہ ۵۱۰ [3] ایضاً

اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے قول پر اپنی بات چھوڑ دیتے۔
جندبؓ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول کسی کی بات ملنے پر نہیں چھوڑتا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید صرف عامۃ الناس کے لیے نہیں عالم بھی اپنی بات کو چھوڑ کر اعلم کی بات پر آ سکتا ہے۔

دوسری صدی کے جلیل القدر مجتہد امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن یجوز للعالم تقلید من ھو اعلم منہ ولا یجوز تقلید من ھو مثلہ۔[1]

ترجمہ۔ امام محمد کہتے ہیں کہ عالم کے لیے جائز ہے کہ وہ بات چھوڑ دے اور کسی اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کرے اپنے برابر کے عالم کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے

امام ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البربہاری (۳۲۹ھ) کی کتاب شرح السنۃ جامعہ ام القریٰ کے استاد محمد بن سعید بن سالم القحطانی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے مصنف نے اس میں تیسری صدی تک کا علمی ذخیرہ سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جمیع ما وصفت لک فی ھذا الکتاب فھو عن اللہ تعالیٰ ...... عن القرن الثالث۔[2]

ترجمہ۔ جو کچھ میں نے تمہارے لیے اس کتاب میں رکھ دیا ہے واللہ تعالیٰ کی مشیت سے تیسری صدی تک کا حال ہے۔

علامہ شنقیطی (۱۳۹۳ھ) کی عبارات ہم نے صرف تائیداً نقل کی ہیں۔ آپ کے ہاں تقلید اتباع کا ہی نام ہے اور اس لفظ میں کسی قسم کی کوئی وحشت نہیں پائی جاتی۔ آپ سے پورے دین کا لائحہ عمل ان الفاظ میں سنیئے:۔

وقد امر اللہ تعالیٰ بطاعتہ وطاعۃ رسولہ واولی الامر وھم العلماء

---

[1] اضواء البیان ص ۵۰۴ [2] ایضاً ص ۲۶

اولو العلماء والامراء وطاعتهم تقلیدهم فیما یفتون به.[1]

ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اولی الامر کون ہیں: ۱۔ علماء یا ۲۔ علماء اور امراء [illegible] اور ان کی بات ماننا ان کی ان کے فتووں میں تقلید کرنا ہے۔

---

[1] اضواء البیان ص۳۰۰

حضرت مولانا ابراہیم میر لکھتے ہیں :-

صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کجروی بد اعتقادی اتباع ہوی و بدمذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمة کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہؓ اور تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔[1]

ائمہ اربعہ (چاروں امام) پہلی اڑھائی صدیوں کے اندر اندر کے بزرگ ہیں۔ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) امام ابویوسف (۱۸۲ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) امام محمد (۱۸۹ھ) اور امام شافعی (۲۰۴ھ) دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اور امام احمد (۲۴۱ھ) تیسری صدی کے نصف اول کے ——— اور ائمہ صحاح امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) امام ترمذی (۲۷۹ھ) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) امام دارمی (۲۵۵ھ) امام ابن ماجہ (۲۷۳ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی تیسری صدی ہجری کے اندر اندر کے بزرگ ہیں۔ ان تین صدیوں میں علم و عمل کی یہی راہ رہی کہ اہل علم فتوے دیتے تھے۔ اور دوسرے لوگ اُن کے علم و تقوے پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے فتووں کو بلا طلب دلیل قبول کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تقلید اعلم بھی ہوتی تھی۔ یہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کا اشتغال بالعلم عام تھا اس زمانہ میں ایسے علماء بھی تھے جو خود بھی ایک رائے رکھتے تھے اور اپنے زیادہ مسائل میں کسی ایک امام کے ساتھ چلتے۔ ان کا اس سے اختلاف تلفیق کے طور پر نہیں تحقیق کے طور پر ہوتا تھا۔ تاہم پہلے مذاہب تابعین کے نام سے بنے۔ پھر منقح اور مبوب ہو کر ائمہ اربعہ سے ان کا فروغ ہوا ——— ہاں دور پہلا ہو یا دوسرا غیر مشروط اطاعت جس سے کسی کو سرتابی نہ ہو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی تھی۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی یہ پیروی صرف مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضة الروایات میں ہوتی تھی۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

---

[1] تاریخ اہل حدیث ص۲۳۷

فعند ذٰلك صار لكل عالم من علماء التابعين مذهب علیٰ حياله فانتصب فی کل بلد امام مثل سعید بن المسیب وسالم بن عبد اللّٰہ بن عبد اللّٰہ فی المدینة وبعدھا الزھری والقاضی یحییٰ بن سعید وربیعه بن عبد الرحمٰن وعطاء بن ابی رباح بمکة وابراھیم النخعی والشعبی بالکوفة وحسن البصری بالبصرہ وطاؤس وکیسان بالیمن ومکحول بالشام۔[1]

ترجمہ: اس دور میں علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنے حلقے میں ایک مذہب قائم ہوگیا۔ ہر شہر میں فقہ کے امام نمایاں ہوئے۔ امام سعیدؒ بن المسیب، امام سالمؒ مدینہ میں اور ان کے بعد امامؒ زہری اور قاضیؒ یحییٰ بن سعید اور ربیعہؒ رائی اور امامؒ عطا مکہ میں اور امامؒ ابراہیم نخعی اور علامہؒ شعبی کوفہ میں اور امام حسنؒ بصرہ میں اور طاؤسؒ اور کیسانؒ یمن میں اور امامؒ مکحول شام میں اس امامت پر قائم رہے۔

عہد تابعین کے یہ بارہ۱۲ امام ہیں جن کی تقلید اس پہلے دور میں جاری تھی۔ آئندہ آنے والے مجتہدین بھی بیشتر مسائل میں اُن کی پیروی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ مذاہب ائمہ اربعہ کے دور میں اور نکھرے ان کی اور تنقیح ہوئی۔ ان کے اور اصُول مرتب ہوئے۔ ان کے فروع مدون ہوتے اور اب یہ ذخائر علمی کتابوں میں آگئے۔ اب ان علوم کی پیروی ان اماموں کے نام سے نہیں۔ چار اماموں کے نام سے آگے چلی۔ یہ تین صدیوں کا علمی منہاج آپ کے سامنے آچکا۔ اس دور میں ائمہ حدیث کا کسی امام فقہ سے انتساب ان سے اکثر مسائل میں اتفاق کی وجہ سے ہوتا تھا۔ پھر چوتھی صدی میں تقلید ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کر گئی۔

اب چوتھی صدی میں جائیے اور دیکھئے کہ تقلید ان دنوں بھی کسی وحشت نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صـ۱۴۳

وکان صاحب الحدیث قد ینسب الیٰ احد ے المذاھب لکثرۃ موافقتہ
کالنسائیؒ والبیہقی ینسبان الی الشافعی[1]

ترجمہ۔ یہ اصحاب حدیث مذاہب اربعہ میں سے کسی طرف کثرتِ موافقت کے باعث
منسوب ہوتے تھے اور امام نسائی اور بیہقی اسی پیرائے میں شافعی کہے جاتے ہیں۔
امام طحاوی بھی اسی طرح امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور امام ابوداؤد امام احمد
بن حنبل کے مذہب میں جگہ پاتے ہیں۔ پروفیسر شعیب ارنوط امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

لم یمنعہ انتسابہ الی الامام ابی حنیفۃ ان یخالفہ فی عدد قلیل
من المسائل لما ثبت لدیہ اوصح فی نظرہ من الادلۃ مالم یثبت لدی
امامہ او یصح عندہ[2]

ترجمہ۔ آپ کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت آپ کو اس سے مانع نہ تھی کہ
آپ چند مسائل میں حضرت امام کے موقف کے خلاف چلے۔ بایں طور کہ آپ
کے پاس وہ دلائل ثابت ہوئے یا صحیح ٹھہرے جو حضرت امام کے ہاں ثابت
نہ تھے یا صحیح نہ تھے۔

اس سے حضرت امام طحاوی کے کمال دیانت کا پتہ چلتا ہے کہ اصل چیز ان کے ہاں
کتاب وسنت اور صحابہؓ کے فیصلے تھے اور حضرت امام کی تقلید میں آپ اسی حد تک چلے جہاں تک
آپ کو فقہ حنفی کتاب وسنت کے مطابق نظر آئی۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صہ ۱۵۲ [2] شرح مشکل الآثار جلد ۱ صہ ۱۲ بیروت

حافظ ابوبکر الجصاص الرازیؒ (۳۷۰ھ) بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں:۔

ان العامی علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث۔[۲]

ترجمہ: عامی شخص پر پیش آنے والے نئے نئے مسائل میں علماء کی تقلید لازم ہے۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

الزم المنذرین قبول قولہم۔[۳]

ترجمہ: مکلفین پر لازم ٹھہرایا کہ وہ ان کی بات قبول کریں۔

حافظ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں شرعی احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا ہر کسی کو معلوم ہو۔ اس میں کوئی خفا نہ ہو اور دوسرے وہ جو نظر و استدلال سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں تقلید جائز ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (پ۱۴ النحل آیت ۴۳)

خطیب لکھتے ہیں:۔

وضرب اٰخر لا یعلم الا بالنظر والاستدلال کفروع العبادات والمعاملات والفروج والمناکحات وغیر ذٰلک من الاحکام فھذا یسوغ فیہ التقلید بدلیل قول اللہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ولانا لو منعنا التقلید فی ھٰذہ المسائل التی ھی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذٰلک وفی ایجاب ذٰلک قطع عن المعایش وھلاک الحرث والماشیۃ فوجب ان یسقط۔[۴]

---

[۱] الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۶۸ [۲] احکام القرآن جلد ۲ ص۲۱۵ [۳] ایضاً ص۲۶۲ [۴] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص۶۸

ترجمہ: اور ایک دوسری قسم ان مسائل کی ہے جو نظر و استدلال کے بغیر معلوم نہ ہو سکیں جیسے فروع عبادات اور عبادات اور معاملات اور نکاح وغیرہ۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے کہ اگر تم جانتے نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر چلو تقلید چل سکتی ہے سو اگر ہم فروعی مسائل میں بھی تقلید کو منع کریں تو پھر ہر ایک پر علم دین کا حاصل کرنا ضروری ٹھہرے گا اور ہر کسی کے ذمہ لگانا کہ علم دین تفصیل سے معلوم کرے اس میں معیشت کی راہیں کٹ جائیں گی۔ کھیتیاں برباد ہو جائیں گی اور مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ سو ضروری ہے کہ علم دین تفصیلی حاصل کرنا ہر کسی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ولم تختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائها وانهم المرادون بقول الله عز وجل فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون واجمعوا علی ان الاعمی لا بد له من تقلید غیره ممن یثق بمیزه بالقبلة اذا اشکلت علیه فکذلك من لا علم له ولا بصر بمعنی ما یدین به لا بد له من تقلید عالمه۔[1]

ترجمہ: اس میں علماء کا کبھی اختلاف نہیں رہا کہ عام لوگوں کے ذمہ اہل علم کی تقلید ہے اور فاسئلوا اهل الذکر الخ میں یہی اہل علم مراد ہیں تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اندھے کو دوسرے کے پیچھے چلنے سے جس پر اسے اعتماد ہو اور وہ اسے قبلہ کی سمت بتا سکے کوئی مفر نہیں ہے۔ اسی طرح اس شخص کا معاملہ ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور وہ بات کو اس طرح نہ جانے کہ اس پر چل سکے تو اس کے لیے ضروری ہے وہ کسی عالم کی تقلید کرے۔

دیکھئے کیا یہاں تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں نہیں بولا جا رہا۔ یہ اعتماداً پیروی کا نام ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۲ صـ۱۱۵

چھٹی صدی کے آخر میں امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) ہوئے ہیں۔ آپ بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں :-

ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث [1]

ترجمہ۔ عامی آدمی پر نئے پیش آنے والے مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

ساتویں صدی کے دوسرے بزرگ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) حدیث الدین النصیحة کی شرح میں لکھتے ہیں:-

وقد یتناول ذٰلك علی الائمة الذین هم علماء الدین وان من نصیحتهم قبول ما رووه وتقلیدهم فی الاحکام واحسان الظن بهم [2]

ترجمہ۔ یہ نصیحت خیرخواہی ان ائمہ کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں ان سے خیرخواہی کا تعلق یہ ہے کہ ان کی روایت کو قبول کیا جائے اور فروعات میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے بارے میں نیک گمان رکھا جائے (کہ جو کچھ وہ بتا رہے ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں بتا رہے ہوں گے)۔

اسی دور میں تاریخ اسلام کی مقتدر علمی شخصیت امام الحرمین معالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الجوینی (۴۷۸ھ) ہوئے ہیں۔ آپ عامی کے لیے اپنے دور کے مفتی کی پیروی ان الفاظ میں لازم کرتے ہیں۔ اس سے اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ تقلید کا لفظ ان دنوں اتباع کے معنی میں ہی لیا جاتا تھا۔ امام الحرمین لکھتے ہیں:-

ومما یتعین ذکره ان من وجد فی زمانه مفتیاً تعین علیه تقلیده ولیس له ان یرقی الی مذاهب الصحابة [3]

ترجمہ۔ اور ان باتوں میں جن کا ذکر لازم ٹھہرتا ہے یہ ہے کہ جو شخص اپنے زمانے میں کسی مفتی کو پالے تو اس پر اس کی تقلید (پیروی) لازم ٹھہرتی ہے اور اسے صحابہؓ کے مذاہب تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۲۷۲ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۵۴ [3] غیاث الامم فی التیاث الظلم صـ ۱۷۱ تصنیف امام الحرمین

صحابہؓ کے دور میں اصول فقہ مدون نہ ہوئے تھے. وہ حوادث پیش آنے سے پہلے کسی تمہید کے قائل نہ تھے. واقعات پیش آنے سے پہلے انہوں نے فقہ کے اصول وقواعد طے کیے ہوئے تھے. اس لیے عامی براہِ راست پیروی میں نہ چل سکتے تھے: تاہم اس سے انکار نہیں کہ صحابہؓ کا مقام ائمہ فقہ سے کہیں زیادہ اونچا ہے. امام الحرمین آگے جاکر لکھتے ہیں :-

فان الصحابة وان کانوا صدور الدین واعلام المسلمین ومفاتیح الھدیٰ ومصابیح الدجیٰ فما کانوا یقدمون تمہید الابواب وتقدیم الاسباب للوقائع قبل وقوعھا.[1]

ترجمہ صحابہؓ کرامؓ اگرچہ دین کے صدر مسلمانوں کے جھنڈے ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن وہ مسائل کو ابواب میں لانے اور واقعات کے وقوع میں آنے سے پہلے ان کے اسباب کی کوئی تمہید سامنے نہ رکھتے تھے یعنی اس وقت اصول فقہ مدون نہ تھے لیکن جب علم فقہ مدون ہوا تو اب اس کی تقلید میں پوری کفایت تھی کہیں تشنگی باقی نہ رہی تھی.

یہ صحیح ہے کہ فقہ کے بہت سے مسائل ہمیں صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین سے مل جاتے ہیں لیکن وہ باہم مرتب نہیں ملتے. پھر انہیں ضرورت کے تحت بیان کیا گیا ہے. ایک علمی خاکے میں انکی نشاندہی نہیں کی گئی. اصول کے تحت جزئیات بیان کی جائیں. گو وہ فرضی اور تقدیری ہوں تو اس سے ایک علمی خاکہ بنتا ہے اور اصول فقہ ہر ایک میں جلوہ گر نظر آتے ہیں اور پھر جو مسائل ان میں نہیں آتے وہ بھی ان اصولوں کے تحت خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے ہیں. اس طرح مسائل فقہ کی تدوین صحابہؓ کے وقت میں نہ ہوئی تھی. فقہ کو اصولِ فقہ کے تحت مجتہدین ابواب میں لاتے اور اس طرح علم فقہ مدون ہوا. یہ وہ اسباب ہیں جن کے باعث امت میں صحابہ کی تقلید جاری نہ ہو پائی اور اس نے ائمہ اربعہ سے اپنی یہ ضرورت پوری کی ــ کسی صحابی سے فقہی جزئیات ہمیں اس پیرایہ

[1] غیاثی صلالا

میں نہیں ملیں کہ وہ زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہوں لیکن ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کی فقہ ضرورت کے تمام ابواب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

اب آیئے پھر ساتویں صدی میں چلیں ساتویں صدی کے نامور مفسر علامہ ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) جو ادب اور عربیت کے بھی امام تھے وہ لفظ تقلید کو اتباع کا مترادف شمار کرتے ہیں۔ آپ منعم علیہم لوگوں میں چوتھے درجے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

الرابع الصالحون وھم الذین یعرفون الشیٔ باتباعات وتقلیدات الراسخین فی العلم[1]

ترجمہ۔ ان میں چوتھا طبقہ صالحین کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حقائق کو اپنے راسخین فی العلم (مجتہد کے درجے پر پہنچے ہوئے اہل علم) کی پیروی اور تقلید سے جانتے ہیں۔

یہاں صریح لفظوں میں تقلید کو اتباع کا مترادف ٹھہرایا گیا ہے:۔

اتباع سے یہاں مراد ایک اصول فقہ کی پاسداری ہے۔ عام لوگ مسائل غیر منصوصہ میں اپنے ائمہ کے استنباط کردہ مسائل کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر کبار اہل علم جو اصول فقہ کے اسی مکتب کے ہمخیال ہوں وہ قوت دلیل کی بنا پہ اپنے استنباط و استخراج میں کبھی اپنے امام سے اختلاف بھی کر لیتے ہیں جیسے امام محمد امام ابوحفص کبیر امام طحاوی اور امام کرخی بایں ہمہ اختلافات اسی مکتب فکر میں شمار ہوتے ہیں۔ سو یہاں اتباع کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں چلتا ہے۔ کسی کی پالیسی پر چلنا قدم قدم پر اس کی پیروی نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بھی ائمہ کبار کی عبارات میں لفظ تقلید ملتا ہے حضرت علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:۔

یاد رکھیے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے کسی آدمی سے ہرگز تعصب مت کرو اور اپنے آپ کو ان لوگوں کی تقلید سے محفوظ رکھو جو امام ابوحنیفہؒ کے حالات اور

---

[1] البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

آپ کے تقویٰ اور دینی احتیاط سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں کہ امام صاحب کے ادلہ ضعیف ہیں تم ان کی تقلید سے اس قول میں شریک نہ ہو جانا ورنہ تمہارا انجام خسارہ پانے والے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔[1]

یہ کس کی نصیحت ہے؟ ایک شافعی المذہب عالم کی ــــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے پیروؤں میں اختلافات کے باوجود تعصب و تحزب ہرگز کارفرما نہیں رہا۔ اپنے اپنے موقف پر رہتے ہوئے بھی وہ دوسروں کے صواب پر ہونے کی علمی گنجائش رکھتے تھے اور پوری وسعت علمی سے مذھبنا صواب و یحتمل الخطا ان کی زبان پر ہوتا تھا ــــ کیا آپ نے اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں بھی کبھی امام ابوحنیفہ یا فقہ حنفی کی یہ تعظیم دیکھی؟ نہیں، انہوں نے کبھی کھلے دل سے حنفی فقہ کو صحابہ کے وقت کا ایک خاکہ عمل تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو مناظرے آج آپ مقلدین اور غیر مقلدین میں دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ کو ائمہ اربعہ کے پیروؤں کے ہاں کبھی دکھائی نہ دیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو اصولاً حق پر سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام میں پائے جانے والے کسی عمل سے انہیں بغض نہیں ہوتا۔

دیکھیے تقلید کا لفظ یہاں اتباع کے معنی میں ہے نہ یہ کہ ان کی بلا دلیل بات ماننے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ابن حزم ظاہریؒ کے سوا کسی نے ان ادوار میں تقلید کا انکار نہیں کیا۔ اور انہیں ظاہری بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ شریعت کے استنباط و استخراج کے اندرونی مزاج سے ناآشنا تھے۔ جو اجتہاد کا قائل ہو وہی تقلید کا قائل ہوگا جو اجتہاد کا قائل نہ ہو ظاہری ہو اس کے ہاں تقلید کا تصور کیسے جگہ پا سکتا ہے۔

لفظی بحثوں میں وقت ضائع نہ کریں

تقلید اور اتباع میں کوئی نظری فرق ہو تو اسے اساس بنا کر اختلافات کو ہوا دینا کوئی عقلمندی

---

[1] میزان کبریٰ مترجم جلد ۱ صہ ۱۸۶

نہیں. تقلید کرنے والے جب اسے اتباع کے معنی میں لیتے ہیں تو دوسروں کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے. عامی کا مجتہدین کی طرف رجوع کرنا اگر ان کی تقلید نہیں اتباع ہے اور اس اتباع کو غیر مقلدین بھی ناجائز نہیں سمجھتے اور مقلدین تقلید کو اتباع کے معنی میں لیتے ہیں. تو کیا اس سے یوں بحث سمٹ نہیں جاتی ؟ اور مسئلہ ایک لفظی بحث بن کر نہیں رہ جاتا ؟ اگر بات اس طرح ہے تو ہم کہیں گے کہ لفظی بحثوں میں وقت ضائع کرنا داناؤں کا کام نہیں.

غیر مقلد احباب مقلدین کے مجتہدین کی طرف رجوع کرنے کا نام اتباع رکھ لیں اور انہیں بلا دلیل والے مسائل ماننے کا ملزم نہ ٹھہرائیں تو دونوں طبقے بہت ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں.

تقلید کے عرفی معنی

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں :-

> رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی. بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی میں مجتہدین کی اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے[1]

میاں صاحب کی مراد یہ ہے کہ مجتہدوں کی پیروی کے لیے شریعت میں دلائل موجود ہیں جیسے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون. اس لیے ان کی پیروی کو اصولاً تقلید نہیں کہہ سکتے. ہم کہتے ہیں اصولاً نہ سہی عرفاً تو اسے ہی تقلید کہتے ہیں. اور یہ آپ بھی مانتے ہیں تو کیا یہ موضوع صرف ایک لفظی بحث نہیں ـــــ یہ بات ہم دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں کتاب و سنت کے بعد ہم اتباع سلف کے مامور ہیں. آپ اسے تقلید نہ کہیں نہ سہی.

---

[1] معیار الحق صـ ۶۲

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ لکھتے ہیں :-

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں تقلید سلف کے مامور نہیں[1]

تقلید کے عرفی معنی اتباع سے مختلف نہیں ہیں مسلم الثبوت میں ہے :-

ولکن العرف علیٰ ان العامی مقلد للمجتہد قال الامام وعلیہ معظم الاصولیین[2]

ترجمہ. عرف یہی ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں بڑے بڑے علماء اصول سب اسی پر ہیں۔

میاں نذیر حسین صاحب نے معیار الحق میں فاضل قندھاری کی کتاب مغتنم الحصول سے جو عبارات نقل کی ہے اس کا ترجمہ خود میاں صاحب سے ہی سُنیں :-

مشہور یوں ہوگیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے۔ امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے کہا ہے کہ اسی پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) اور آمدیؒ (ھ) اور ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرتؐ اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں[3]

تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں ہم حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) امام جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) امام فخرالدین رازیؒ (۶۰۶ھ) اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کے حوالوں سے آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں۔ امام الحرمین پانچویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاریؒ (۱۱۱۹ھ) صاحب مسلم الثبوت بارہویں صدی ہجری میں ہوتے ہیں۔ ان بارہ صدیوں میں لفظ تقلید کبھی کسی علمی بحث میں کسی بُرے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

اب انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے بعد یہ نئے نئے فرقے کیا اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے تیرہ صدیوں کے اتحاد و اتفاق کو فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھا رہے۔

---

[1] تقلید شخصی و سلفی ص۴۲ [2] مسلم الثبوت ص۲۸۹ [3] معیار الحق ص ترجمہ از میاں

لغۃً قلادہ صرف پٹکے کو نہیں ہار کو بھی کہتے ہیں. ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت اسماءؓ سے عاریۃً ہار لیا تھا. اسے امام بخاریؒ ان لفظوں میں روایت کرتے ہیں:-

استعارت من اسماء قلادۃ [1]

ترجمہ. آپ نے اسماء سے عاریۃً ہار لیا.

معلوم ہوا انسان کے لیے یہ لفظ وارد ہو تو اس کے معنی ہار کے ہوں گے پٹکے کے نہیں معترضین کو خواہ مخواہ جانوروں کی صف میں نہ آنا چاہیئے.

لفظوں سے کھیلنا اور محض استہزاء سے قوم میں انتشار پیدا کرنا ہرگز کسی بھی خواہ ملت کا کام نہیں ہو سکتا. ع آغا تیغ درمیان کن

ائمہ اصُول کے ہاں تقلید کی تعریف

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان النامی شرح حسامی سے نقل کرتے ہیں:-

التقلید اتباع الغیر علیٰ ظن انہ محق بلا نظر فی الدلیل [2]

ترجمہ. تقلید دوسرے کی اتباع کا نام ہے اس اعتماد سے کہ وہ حق بات کہہ رہا ہے بغیر دھیان کیے اس کی دلیل میں.

حضرت مولانا جالندھریؒ اس پر لکھتے ہیں:-

یہ عبارت بھی تقلید اور اتباع کے ایک ہونے پر صراحت سے دال ہے اور اس میں لفظ الدلیل پر لام عہد کے لیے ہے یعنی وہ خاص دلیل جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے اور من غیر نظر الی الدلیل اور من غیر تأمل فی الدلیل اور من غیر مطالبۃ الدلیل میں اسی خاص دلیل کی طرف اشارہ ہے. اس دلیل سے وہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ [2] النامی شرح الحسامی صفحہ ۱۹۰ مطبع مجتبائی دہلی

دلیل مراد نہیں جو مقلد اپنی طرف سے پیش کرتا ہے[1]

قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ اپنی مایۂ ناز کتاب کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں :-

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقداً للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر او فعلہ قلادۃً فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل[2]

ترجمہ. تقلید دوسرے انسان کی اس کے قول یا فعل میں پیروی کا نام ہے. بایں گمان کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے اس کی دلیل میں نظر کیے بغیر ـــ اس اتباع کرنیوالے نے گویا اس دوسرے کے قول یا فعل کو بغیر اس سے مطالبہ دلیل کیے اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے۔

یہاں بھی تقلید کی تعریف لفظ اتباع سے کی گئی ہے. تقلید اتباع کے معنی میں ہے. اب اس پر تیسری شہادت لیں۔

ابن الملک شرح منار میں ہے :-

وھو عبارۃ عن اتباعہ فی قولہ او فعلہ معتقداً للحقیۃ من غیر تامّل فی الدلیل[3]

ترجمہ. تقلید سے مراد اس دوسرے کی اتباع ہے اس کے قول میں یا اس کے فعل میں بایں اعتقاد کہ وہ حق کہہ رہا ہے بغیر اس کی دلیل کا انتظار کیے۔

تقلید مقلدین کے ہاں اتباع کے معنی میں ہے. آیئے اب اس پر چوتھی شہادت بھی لے لیجئے لیکن یہ انصاف نہیں ہے کہ تقلید کریں تو مقلدین مگر اس کا معنی بیان کریں غیر مقلدین ـــ اس سے زیادہ کھلا مذاق علم سے کیا ہوگا. سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارت آپ پڑھ آئے.

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں[4]

---

[1] خیر التنقید فی سیر التقلید صـ۱۳ [2] کشاف صـ۲۱ [3] شرح منار مصری صـ۲۵۲ [4] سبیل الرشاد صـ۲۷

ان چار شہادتوں کے بعد مسلم الثبوت کی عبارت میں بھی مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا۔

من غیر حجۃ کو من غیر مطالبۃ حجۃ پڑھا جائے گا۔

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ [1]

ترجمہ۔ تقلید کسی دوسرے کے قول پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرنے کا نام ہے۔

من غیر حجۃ عمل سے متعلق ہے یعنی وہ اس پر دلیل مانگے بغیر عمل کرتے ہیں ــــ

غیر مقلد علماء، عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے قول سے متعلق کرتے ہیں اور معنی یوں کرتے ہیں۔

تقلید دوسرے کے قول کو جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو ماننے کا نام ہے۔

اعاذنا اللہ من الجھل وسوء الظن۔

ایک متوازی شہادت بھی لیجیے :۔

التقلید ھو العمل اعتمادا علیٰ فتویٰ ــــ المجتہد ولا یتحقق بمجرد تعلم فتویٰ المجتہد ولا بالالتزام بہا من دون العمل [2]

ترجمہ۔ تقلید اس عمل کا نام ہے جو مجتہد کے فتوے پر اعتماد (کہ یہ قرآن و سنت کے مطابق ہوگا) کر کے کیا جائے۔ تقلید امام مجتہد کے فتوے کو صرف جاننے یا اسے ! ۔۔۔ کا نام نہیں جو اس پر عمل کے بغیر ہو (تقلید کا تحقق عمل سے ہی ہوتا ہے)۔

تقلید اگر کسی ایسے قول کو ماننے کا نام ہوتا جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس بے دلیل بات کے لیے مجتہد کی ہی تلاش کیوں ہوتی کسی عامی کی بات لے کر اس کی پیروی کیوں نہ کر لی جاتی۔

یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ عامی علت حکم جانے بغیر عالم کے قول پر اعتماداً عمل نہیں کر سکتا۔

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں :۔

وحکی عن بعض المعتزلۃ انہ قال لا یجوز للعامی العمل بقول العالم حتی یعرف علۃ الحکم [3]

---

[1] مسلم الثبوت ص ۲۸۹ [2] منہاج الصالحین جلد ۱ ص ۵ طبع بیروت [3] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص ۶۹

ترجمہ. بعض معتزلہ سے مروی ہے کہ عامی کے لیے کسی عالم کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ علت الحکم کو نہ پہچان لے۔

وہ غیر مقلد علماء جو تقلید کے جوشِ مخالفت میں یہ معتزلہ والا عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اپنے اس عقیدہ سے وہ اہل سنت کی صف سے نکل جاتے ہیں۔ پھر ان کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا معلوم نہیں کس جہت سے درست ہوگا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ اس عقیدے پر اس طرح جرح کرتے ہیں :-

وھذا غلط لانه لاسبیل للعامی الی الوقوف علی ذٰلك الا بعد ان یتفقه سنین کثیرة ویخالط الفقهاء المدة الطویلة ویتحقق طرق القیاس ویعلم مایصححه ویفسده ومایجب تقدیمه علی غیره من الادلة وفی تکلیف العامة بذٰلك تکلیف مالا یطیقونه ولاسبیل لهم الیه۔[1]

ترجمہ. یہ غلط ہے کیونکہ عامی آدمی علل حکم پر واقف بغیر سالہا سال کی فقہ کی تعلیم کے اور مدتِ دراز تک فقہاء کی مجلس پانے کے اور قیاس کے طریقوں کے معلوم کرنے کے اور یہ جاننے سے کہ کون سی باتیں اسے صحیح ٹھہراتی ہیں اور کون سی اسے فاسد کرتی ہیں اور یہ کہ کس دلیل کو کس پر لازم کیا جائے اور یہ کہ عامۃ الناس کو اس کی تکلیف دینا ان کی طاقت سے بالا تو نہیں کبھی نہ ہو سکے گا۔

علامہ سیف الدین آمدیؒ (ھ) کی عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقلید کے اس درجہ کے مخالفین اس کے جوشِ مخالفت میں معتزلہ کی صف میں جا بیٹھے ہیں۔ علامہ آمدیؒ قاعدہ ۳ کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں :-

العامی ومن لیس له اهلیة الاجتهاد وان کان محصلاً لبعض العلوم المعتبرة فی الاجتهاد یلزمه اتباع قول المجتهدین والاخذ بفتواه

---

[1] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ ص ۶۹

عند المحققين من الاصوليين ومنع من ذٰلك بعض معتزلة البغداديين۔[1]

ترجمہ۔ عامی شخص اور وہ شخص جو عامی تو نہیں لیکن وہ مجتہد بھی نہیں۔ اگرچہ وہ بعض علوم معتبرہ کا عالم ہوا سے مجتہدین کے قول کی پیروی کرنا اور اس کے فتوے پر فیصلہ دینا لازم ہے۔ علماء اصول کے محققین کا یہی فیصلہ ہے اگرچہ بغداد کے بعض معتزلہ نے اسے منع کیا ہے (وہ کہتے ہیں کہ دلیل معلوم کیے بغیر کسی کے قول پر فتوے دینا جائز نہیں)۔

اب پندرہویں صدی میں علمائے اہلحدیث نے تسلیم کرلیا ہے کہ لفظ تقلید اتباع کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے کسی ایسے معنی میں نہیں کہ اس سے وحشت پیدا ہو۔ انگلینڈ میں ایرانی انقلاب کی حمایت میں اٹھنے والے لوگوں میں ڈاکٹر کلیم صدیقی معروف شخصیت ہیں۔ آپ نے مدت سے اس بات کی تحریک چلا رکھی ہے کہ یہاں مسلمان شیعوں کو کافر نہ کہیں اور ان سے اپنے اختلافات کو فروعی سمجھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہاں ایک مسلم پارلیمنٹ قائم کر رکھی ہے جس کے ڈپٹی سپیکر مولانا عبدالوہاب اچھروی ہیں۔ اس مسلم اتحاد میں علماء اہلحدیث کے نمایندے مولانا محمد عبدالہادی جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ ہیں۔ شیعوں کے عالم ان کے ساتھ محمد شمس بنرواری ہیں اور سنیوں کے مولانا عبدالرشید صاحب دینہ ضلع جہلم والے ان کے ساتھ ہیں۔

ان علماء نے ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو اپنی آیندہ پالیسی کا اعلان ان لفظوں میں کیا ہے:۔

"ہم ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہیں لگائیں گے"

اور عوام سے مطالبہ کیا ہے:۔

"اب عوام کو بھی ہماری تقلید میں چھوٹے چھوٹے اختلافات بھلا دینے چاہئیں"

جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا لوگوں سے یہ تقلید کا مطالبہ اس ذہن کی خبر دیتا ہے کہ اب

---

[1] احکام الاحکام للآمدی جلد ۴ ص۱۹۷

ان کے ہاں بھی یہ لفظ اتباع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس میں ہرگز وحشت کا کوئی پہلو نہیں ہم جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے ساتھ اس اقرار میں متفق نہیں کہ شیعہ کے ساتھ ہمارے اختلافات فروعی ہیں لیکن اتباع کے لیے ان کا لفظ تقلید اختیار کرنا پتہ دیتا ہے کہ جو بات حضرت گنگوہیؒ نے اس سے ایک صدی پہلے کہی تھی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے اب ۱۹۹۳ء میں اسے تسلیم کرلیا ہے مولانا عبدالہادی عمیری جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا یہ اقرار کہ تقلید اور اتباع کا معنی ایک ہے۔ روزنامہ جنگ لندن ۱۰ جنوری کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کر کے حدود فقہ کی بحث شروع کریں یہاں تین سوالوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

سوال ۱

مقلد کو اپنے علم اور مطالعہ سے اگر کچھ دلائل میسر ہو جائیں جو اس کے امام کے فتوے کے مطابق ہوں مگر مقلد کو اپنے اس علم پر بھروسہ نہ ہو وہ اپنے امام کے اعتماد سے ان دلائل کو وزن دے مگر کلیۃً اپنے علم کو کافی نہ سمجھے تو کیا وہ اپنے مسئلے کے ان دلائل جاننے سے تقلید سے نکل آئے گا؟ یا وہ بدستور مقلد رہے گا؟

جواب: وہ اتنے علم سے تقلید سے نہ نکلے گا۔ جو دلائل اس کے پاس ہیں ان پر اس کی مجتہدانہ نظر نہیں۔ وہ اپنے امام کے علم پر اعتماد کر کے اس سے اس کی دلیل معلوم کیے بغیر اس مسئلے پر عمل کر رہا ہے گو اس کا اپنا مطالعہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ مگر اس کے امام نے جس خاص دلیل پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھی وہ تو اسے معلوم نہیں ہے۔

سوال ۲

کیا تقلید مرتبہ جہل کا نام ہے؟

تقلید صرف اسی صورت میں نہیں کہ سائل کو بات کا مطلق پتہ نہ ہو۔ اگر اسے مسئلے کی

دلیل معلوم ہے. مگر اسے اپنے علم پر کافی بھروسہ نہیں. وہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی بات اس کے مطابق اترتی ہے. اب وہ مجتہد کی بات تسلیم کرنے میں اسکی دلیل کا محتاج نہیں. اپنے علم پر اسے بھروسہ نہ تھا مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر اسے معلوم ہو گئی اور اب اسے اپنی دلیل پر بھروسہ ہوا تو چونکہ اس نے مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر قبول کی تو اس کی قبولیت سے وہ تقلید سے باہر نہ ہوا — اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں. اس کے ساتھ کچھ علم جمع ہو سکتا ہے.

اسی طرح اس نے اگر پہلے مجتہد کی بات پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کر لیا. بعد میں اسے اس پر اپنے علم سے کچھ دلائل بھی مل گئے. مگر اسے ان مسائل اجتہادیہ میں بھروسہ اس مجتہد پر ہی رہا تو بھی وہ شخص اپنے اس عمل میں تقلید پر رہا. تقلید سے باہر نہیں ہوا.

دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولانا مرتضیٰ حسنؒ (۱۳۷۱ھ) تقلید کے معنی لکھتے ہیں.

> یہ معنی بھی ہے کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو. تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو. جیسے صاحب ہدایہ. فتح القدیر. عنایہ. بنایہ اور امام طحاویؒ وغیرہ سب مقلد ہیں. حالانکہ ان کے دلائل بھی مشرح ہیں تو یہ لوگ باوجود علم بالدلیل کے نہ تو تقلید سے خارج تھے اور نہ ہی لوگ ان کو غیر مقلد سمجھتے تھے.[1]

اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں. ایسا علم جو مجتہدانہ شان کا نہ ہو ہرگز تقلید کے خلاف نہیں ہے.

سوال ۳

عامی مجتہد کو کیسے پہچانے

---

(۱) تنقیح التقلید ص ۲۹

مقلد کے پاس خود تو اتنا علم نہیں کہ وہ مجتہد کو پوری طرح پہچان سکے۔ نہ وہ افضل اور مفضول کے درمیانی فاصلے پہچان سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے بڑا عالم یا متقی ہونے کی خبریں اسے بتواتر ملیں اور وہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کا اس کی طرف رجوع پائے تو باوجود عامی ہونے کے اس کے سامنے ایک ایسا سرف ضرور معروف ہو جاتا ہے جس سے وہ کسی ایسے شخص کو مان سکے جس کے فتوے پر وہ بغیر اس سے دلیل پوچھے پورے بھروسے سے عمل کر سکے اور اسے کوئی غلجان لاحق نہ ہو۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) ایک ایسے شبہے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ویعلم فضل الطبیبین بتواتر الاخبار و باذعان المفضول له وبتقدیمه بامارات تفید غلبة الظن فکذلك فی حق العلماء یعلم الافضل بالتسامع وبالقرائن دون البحث عن نفس العلم والعامی اهل له فلا ینبغی ان یخالف الظن بالتشهی فهذا هو الاصح عندنا والالیق بالمعنی الکلی فی ضبط الخلق وبلجام التقوی ـــــ والتکلیف۔[1]

ترجمہ۔ طبیب کونسا ماہر اور تجربہ کار ہے اس کا پتہ لوگوں کو (باوجودیکہ وہ علم ادویہ نہیں رکھتے) متواتر خبروں سے ملتا ہے یا اس سے کہ چھوٹے درجے کے طبیب اس کی بات مانتے ہوں اور اسے بڑا سمجھتے ہوں یا ان علامات کہ اس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ اسی طرح علماء میں اعلم کا پتہ اس کی عام شہرت اور اس قسم کے دوسرے قرائن سے کیا جاتا ہے بغیر یہ جانے کہ علم کیا ہے ـــــ اور عامی آدمی اتنی بات (وہ طبیب کے بارے میں ہو یا عالم کے بارے میں) جاننے کا اہل ہے (یہ جان سکتا ہے) پس اسے نہ چاہیئے کہ اسے اس طرح جو گمان غالب ہو اس کی مخالفت محض اپنے ذوق سے کرے۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح فیصلہ ہے

---

[1] المستصفیٰ جلد ۲ ص ۱۲۶

اور یہی بات اسس اصولِ کلی کے لائق ہے جس سے مخلوقِ خدا ایک ضابطے میں
رہ سکتی ہے اور اسے تقوے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی لگام دی
جا سکتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے یہاں تقلید کو گھوڑے کی لگام سے تشبیہ دی ہے منہ زور گھوڑے
کی روک تھام اس کے بغیر ممکن نہیں. جو لوگ قرآن و حدیث میں فقہ سنت اور فہمِ امت کو سامنے
رکھے بغیر پوری آزادیِ فکر سے چلتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

جب عام لوگ قرآن و حدیث کے اردو ترجموں سے دین سمجھنا شروع کر دیں اور انہیں
دین میں فقہ کی ہوا بھی نہ لگی ہو تو وہ اس صف میں نہیں آتے جنہیں قرآن ہدایت دیتا ہے وہ اس
فہرست کے لوگ ہیں جو قرآن سے گمراہی پاتے ہیں :-

یضل به کثیرًا و یهدی به کثیرا و ما یضل به الا الفاسقین.

(پ البقرہ آیت ۲۶ رکوع)

ترجمہ. گمراہ کرتا ہے اللہ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں
کو اور گمراہ نہیں کرتا اسس مثل سے مگر بدکاروں کو.

اسی طرح آزاد مطالعہ حدیث بھی انہیں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیتا. فقہ کے بغیر حدیث کی
طلب جیسا کہ لوگ آج کل صحیح بخاری کا اردو ترجمے اٹھائے دین سے جاہل لوگوں کو اس پر عمل
کی دعوت دیتے ہیں بالکل ناجائز ہے. تاریخ بتلاتی ہے کہ اس آزاد مطالعہ حدیث سے بڑے
بڑے فتنوں نے جنم لیا ہے. قرونِ اولیٰ میں اس قسم کے آزاد مطالعہ حدیث کو حرام کے قریب
سمجھتے تھے اور یہ صرف ایک دو عالموں کی رائے نہ تھی. ایک جماعت کی جماعت کا یہ فتویٰ تھا.
حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں :-

اما طلب الحدیث علی ما یطلبه کثیر من اهل عصرنا الیوم دون تفقه
فیه ولا تدبر لمعانیه فمکروه عند جماعة اهل العلم[1]

---

[1] جامع [illegible] صفحہ ۱۴۲

ترجمہ. حدیث کا مطالعہ بغیر فقہ اور اس کے معانی میں غور کرنے کے کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے کے بہت سے لوگوں نے کرنا شروع کر دیا ہے. اہل علم کی ایک جماعت نے اسے مکروہ ٹھہرایا ہے۔

تقلید اور شیعہ

شیعہ بھی فروع دین میں تقلید کے قائل ہیں. لیکن ان کی تقلید میں اور اہلسنت کی تقلید میں کچھ اصولی فرق ہے. اہلسنّت کے ہاں تقلید ائمہ میں اماموں کے شارع ہونے کا کوئی گمان نہیں ہوتا. مگر شیعہ کے ہاں مجتہد کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

شیعہ کے ہاں ہر انسان کو تین باتوں میں سے کسی ایک موقف پر ضرور ہونا چاہیئے۔

مجتہد ہو ——— محتاط عمل کا ہو ——— مقلد ہو ———

مقلد جس کی تقلید کرے اس کے لیے یہ چند شرائط ہیں:۔

(۱) وہ مجتہد زندہ ہو۔

(۲) عاقل ہو عادل ہو۔

(۳) نیک اور متقی ہو۔

شیعہ کے مشہور عالم محمد التیجانی السماوی اپنی کتاب لاکون مع الصادقین میں لکھتے ہیں:۔

اجتہاد بہت ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہوتا ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدّین.

جب خدا اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

یہی چیزیں اہلسنّت کے یہاں بھی ضروری ہیں اور انہیں شرائط کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن مجتہد کا زندہ ہونا ان کے یہاں شرط نہیں ہے۔

البتہ تقلید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں شیعہ اور سُنی میں واضح اختلاف موجود ہے کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو مجتہد شرائط مذکورہ کا جامع ہوتا ہے وہ زمانہ غیبت میں امام کا نائب ہوتا ہے وہی حاکم اور رئیس مطلق ہے جس طرح لوگوں کے قضایا اور لوگوں میں امام کو حق ہوتا ہے وہی حقوق مجتہد جامع الشرائط کو بھی ہوتے ہیں، شیعوں کے نزدیک مجتہد جامع الشرط صرف مرجع ہی نہیں ہوتا کہ اس سے فقط فتاویٰ حاصل کیے جائیں بلکہ اس کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ ہوتی ہے۔ اسی لیے تمام مقلدین احکام میں لڑائی جھگڑے میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی کو خمس و زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ مجتہد اس مال کو امام کی نیابت میں شرعی امور میں خرچ کرتا ہے۔

لیکن اہلسنت کے یہاں مجتہد کو یہ اختیارات نہیں حاصل ہوتے۔ کیونکہ وہ لوگ یہ نہیں مانتے کہ امام رسولِ خدا کا نائب ہوتا ہے۔ وہ لوگ صرف فقہی مسائل میں چاروں امام ابوحنیفہ۔ احمد بن حنبل۔ مالک۔ شافعی میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتے ہیں [1]

یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے کہ اہلسنت کے ہاں تقلید کا جو عمل ہے اس میں شرک فی الرسالۃ کا ہرگز کوئی ابہام نہیں، وہ امام کو نائب رسول کی حیثیت سے نہیں ایک مجتہد کی حیثیت سے مانتے ہیں اور یہ اسی طرح کا ماننا ہے جیسے کوئی فن نہ جاننے والا شخص اسی فن میں اس فن کے جاننے والے پر اعتماد کرے اور اس سے فن کی تحقیق میں نہ اُلجھے۔ بلا مطالبہ دلیل اس کی بات مانے۔

شیعہ چونکہ اس کے برعکس چلے ہیں اس لیے اہل سنت کے بارے میں ان کی یہ شہادت غیر جانب دارانہ ہے۔

---

[1] لاکون مع الصادقین ص۱۷۲ ترجمہ اذ

نجف اشرف کے مجتہد ملا محمد کاظم خراسانی کے فتاوے ذخیرۃ العباد کے نام سے چھپے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں سنٹرل ماڈل سکول لاہور کے مدرس شریف حسین سبزواری بریلوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کا پہلا باب تقلید پر ہے۔ ص۷ پر یہ سوال و جواب دیکھئے:-

س: میت کی تقلید پر قائم رہنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز نہیں۔

شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں اس طرح بھی تقلید کر سکتا ہے کہ بعض مسائل میں ایک مجتہد کی تقلید کرے اور بعض میں دوسرے مجتہد کی۔ لیکن یہ دونوں علم میں مساوی ہونے چاہئیں ص۹

اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے عوام بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ دلیل سمجھنے اور پرکھنے کی ان میں استعداد نہیں ہوتی۔ سو جب یہ تقلید کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد مرحومین کی تقلید ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔

ایک عامی تراجم حدیث کے آزاد مطالعہ سے کبھی عالم نہیں سمجھا جا سکتا۔ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل تقلید کو آزادئ فکر کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس عنوان میں بھی اقرار ہے۔ کہ تقلید عام لوگوں کی آزادئ فکر کے خلاف ہے یہ حدیث کے خلاف کوئی تحریک نہیں۔

ہندوستان میں چودھویں صدی کے آغاز میں آزاد مطالعۂ حدیث کی رو نہ چلتی تو قادیانیت کو کبھی برگ و بار نہ لگتے نہ غیر مقلدین علیحدہ جماعت بندی کرتے اور نہ فروعات پر جمہور امت سے علیحدہ ہوتے نہ امت کو مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور فتنۂ انکار حدیث کا سامنا کرنا پڑتا۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر اقتدار رفتگاں محفوظ تر

حدودِ تقلید

(موضوع فقہ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

ہماری دینی زندگی کے تین دائرے ہیں. ۱. عقائد. ۲. احکام. ۳. واردات قلب۔ ان میں تقلید کی ضرورت کہاں پڑتی ہے حدودِ تقلید میں ان کا بیان ہے. اسلام کے عقائد اور اصول اتنے کھلے اور واضح ہیں کہ ان میں تقلید کی ضرورت نہیں پڑتی. بنیادی عقائد سب تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں. ان میں کوئی موضوع ایسا نہیں جس میں کوئی بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو. جہاں تک احکام کا تعلق ہے یہ ہر دور میں نئی نئی صورتوں میں سامنے آتے ہیں اور فقہاء ہر دور میں ضرورتوں اور حالات کے مطابق ان کا حل قوم میں پیش کرتے ہیں. اس تخریج میں وہ اپنے امام کے اصولوں پہ چلتے ہیں. تقلید کی ضرورت ان احکام میں ہے ۔ رہے وہ امور جو تزکیہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں. یہ ظاہری احکام عمل نہیں، نہ یہ دائرہ فقہ میں آتے ہیں.

عقائد میں ذات وصفات کی بحث میں تاویل و تفویض کے دو مسلک ہیں. بہتر راہ تفویض کی ہے کہ اسے خدا کے سپرد کیا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے. لیکن معتزلہ کے جواب میں متکلمین نے اگر کہیں کوئی تاویل کی ہے تو اس کا انکار بھی نہ کیا جائے جس طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ یا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ائمہ ہدیٰ ہیں. اسی طرح امام ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابوالمنصور ماتریدیؒ بھی ائمہ اہل سنت میں سے ہیں. ان میں سے کسی کی تضلیل و تفسیق جائز نہیں ہے. اختلاف اور بات ہے.

عقائد میں ان کی موافقت تو ہو سکتی ہے لیکن پیروی نہیں. پیروی کا تعلق عمل سے ہے اور اسلام میں اعمال کا دائرہ احکام ہیں اور تقلید صرف احکام میں ہوتی ہے. اصلاحِ باطن اور تزکیہ قلب کے لیے اہل سلسلہ نے جو طریق علاج وضع کیے ہیں، وہ احکام کے ذیل میں نہیں آتے. یہ اپنی

اپنی واردات ہیں۔ سو عقائد و احکام اور تزکیہ قلوب میں تقلید کا تعلق صرف احکام سے ہے۔ عقائد اور اعمال قلب سے نہیں۔

تعجب ہے کہ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل صاحب اتنی بات نہ سمجھ سکے اور اہلسنت کی ان تین نسبتوں میں حدود تقلید انہیں معلوم نہ ہو سکیں۔ آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

ارباب تقلید کا عجیب حال ہے وہ بیک وقت تین اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ عقائد میں ابوالحسن اشعری یا ماتریدی کی۔ تصوف میں ان کی نظریں شیخ عبدالقادر جیلانی اور باقی متعارف سلاسل کی اقتدار کے لیے بے قرار ہوتی ہیں اور فروع فقہیہ میں وہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں شبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مقلد ہیں۔[1]

زمانہ بدلنے سے عقائد نہیں بدلتے نہ زمانے کی رفتار تصوف پر کسی طور اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ صرف فروع فقہیہ ہیں جو ارتقار زمانہ کے ساتھ بدلتے ہیں۔ فقہاء عصر اس کے ساتھ ساتھ استنباط و استخراج کرتے ہیں۔ تقلید کی حدود احکام تک ہیں۔ عقائد و تصوف دائرہ فقہ میں نہیں آتے۔ پھر اگر اہلسنت ان تین دائروں میں تین اماموں کی تقلید کرتے بھی ہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب ان کو یہ الزام دے سکتے تھے کہ وہ تقلید شخصی پر نہیں رہے تین ائمہ کے مقلد ٹھہرے لیکن مولانا نے اس صورت حال میں انہیں غیر مقلد کیسے سمجھ لیا ـــــ یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آئی۔

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ اجتہاد کا موضوع احکام ہیں۔ یہ احکام ہیں جن میں علت حکم

---

[1] مقدمہ ترجمہ قرآن ص۲۲ فاروقی کتب خانہ ملتان

کی تلاش ہوتی ہے. عقائد میں کبھی علت کی تلاش نہیں ہوتی. اسی طرح واردات قلبیہ میں اجتہاد نہیں ہوتا. اجتہاد وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی بات پردے میں ہو. واردات قلبیہ میں پردے اُٹھتے ہیں اٹھتے نہیں. سو اجتہاد کا موضوع صرف احکام ہیں.

اجتہاد اور تقلید ایک دوسرے کے مقابلے کے لفظ ہیں. جن دائروں میں اجتہاد ہو سکے گا تقلید کی حدود بھی وہیں ہوں گی جب اجتہاد کا موضوع احکام ہیں تو تقلید کی ضرورت بھی احکام میں ہوگی عقائد میں نہیں. عقائد اور واردات قلبیہ فقہ کے دائرہ میں نہیں آتے.

مشرکین جو تقلید آباء کرتے تھے وہ عقل و استدلال کے بغیر تھی اور عقائد میں تھی. یہ تقلید بے شک مذموم ہے. سورۂ ہود کی آیت مایعبدون الا کما یعبد اٰباءھم کے تحت علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں :-

وفی الاٰیۃ ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لا بد من النظر والاستدلال [۱]

ترجمہ: اور اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور اس سے مراد کسی دوسرے کی بات کو بلا طلب دلیل قبول کرنا ہے اور وہ جائز ہے. فروعی مسائل میں اور یہ (تقلید) اصول دین میں جائز نہیں نہ اعتقادیات میں یہ چل سکتی ہے ان میں نظر و استدلال سے چارہ نہیں (اس کے بغیر عقیدہ قائم ہی نہیں ہو سکتا)

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۲ھ) سورۂ توبہ کی آیت. وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ کے تحت لکھتے ہیں :-

ان التقلید غیر کاف فی الدین انہ لا بد من النظر والاستدلال [۲]

ترجمہ. اصولی مسائل میں تقلید کفایت نہیں کرتی عقائد میں نظر و استدلال کی ضرورت ہے.

---

[۱] روح البیان جلد ص [۲] تفسیر کبیر جلد ص

امام رازیؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ عمل تو تقلید سے بن جاتے ہیں. عقائد میں نظر و سمجھ کی ضرورت ہے. جب تک کوئی شخص سمجھ سے کوئی عقیدہ اختیار نہ کرے اسے عقیدہ نہیں کہہ سکتے. یہ گرہ ہے جو جب تک دل میں نہ بندھے اسے عقیدہ نہیں کہا جا سکتا.

مذاہب اربعہ فروع و عملیات میں بے شک مختلف ہیں. مگر عقیدہ میں سب ایک ہیں اور اس اعتقاد پر ہیں جو امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) لکھ چکے. علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:-

هذه المذاهب الاربعه و لله تعالىٰ الحمد فى العقائد واحده ......
يقرون عقيدة الجعفر الطحاوى التى تلقاها العلماء سلفاً و
خلفاً بالقبول [1]

ترجمہ. مذاہب اربعہ خدا کے فضل سے عقائد میں سب ایک ہیں اور اسی عقیدہ پر ہیں جو امام ابو جعفر طحاوی کا ہے. علمائے سلف و خلف سے اسے قبول کرتے آئے ہیں.

معلوم ہوا کہ تقلید اعمال میں ہے عقائد میں نہیں. مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اگر ان عبارات کو دیکھ لیتے تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ مقلدین عقائد میں امام ابو الحسن الاشعریؒ یا امام ابو المنصور ماتریدیؒ کی تقلید کرتے ہیں. عقائد تقلید کا موضوع ہی نہیں. متکلمین نظر و استدلال کو روشن کرتے ہیں فتوے نہیں دیتے جو اعتماداً قبول کیا جائے.

ہاں مولانا اسماعیل صاحب امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی بات یہ کہہ کر رد کر دیں کہ یہ دونوں بھی تو مقلد ہیں. ان کی بات کا کیا اعتبار ——— تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکیں گے کہ آئندہ آپ بھی اپنے ہاں کسی مقلد سے استناد نہ کیا کریں. وہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہو یا حافظ ابن تیمیہؒ ——— ان حضرات کی بات اگر مقلد ہونے کے باوجود لی جا سکتی ہے تو امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی کیوں

---

[1] معید النعم و مبید النقم صد ۳۲

نہیں لی جا سکتی ؟ علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

فما یحل الاستفتاء فیہ الظنیۃ لا العقلیۃ علی الصحیح.

ترجمہ۔ سو جن امور میں استفتاء ہو سکتا ہے وہ امور ظنیہ ہیں امور عقلیہ میں نہیں مذہب صحیح کے مطابق ان میں استفتاء نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ امیر بادشاہ بخاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

فما یحل الاستفتاء فیہ الاحکام الظنیۃ لا العقلیۃ المتعلقۃ بالاعتقاد فان المطلوب فیہا العلم علی المذہب الصحیح فلا یجوز التقلید فیہا بل یجب تحصیلہا بالنظر الصحیح۔[1]

ترجمہ۔ جن امور میں استفتاء کرنا (فتوے پوچھنا) جائز ہے وہ اجتہادی احکام ہیں نہ کہ عقلی جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ عقائد میں مذہب صحیح کے مطابق علم درکار ہے عقائد میں تقلید نہیں ہو سکتی۔ عقائد صحیح نظر سے ہی اختیار کیے جا سکتے ہیں (تقلید سے نہیں)۔

علماء اہلسنت، امام ابوالحسن الاشعریؒ یا امام ابو المنصور الماتریدیؒ سے عقائد میں روشنی اور وضاحت تو حاصل کرتے ہیں لیکن ان کی تقلید نہیں کرتے۔ تقلید عمل میں ہوتی ہے عقیدہ میں نہیں۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اس باریک فرق کو سمجھ نہیں سکے۔

مقلد کے ایمان کا اعتبار

اگر کوئی شخص مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوا اور اس نے عام مسلمانوں کی پیروی میں حضورؐ کو اللہ کا رسول برحق مانا مگر اسے وہ دلائل معلوم نہیں جن سے حضرت خاتم النبیین کی رسالت ثابت ہوتی ہو تو اس کے ایمان کا بالاتفاق اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں غیر مقلد بھی نہیں کہتے کہ ایمان تقلیدی معتبر نہیں وہ صرف اعمال میں تقلید کی مخالفت کرتے ہیں وہ کون سے اعمال ہیں جو فقہ کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس کی بحث آگے آرہی ہے۔

اتّباعِ فقہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

تاریخِ تقلید

اجتہاد اور تقلید کی تاریخ ایک ساتھ شروع ہوتی ہے۔ استادی اور شاگردی ایک ساتھ چلتی ہیں۔ استاد نہ ہو تو شاگرد نہیں اور شاگرد نہ ہو تو استاد، استاد کیسے بنا؟ اجتہاد خود آنحضرتؐ کے زمانے سے شروع ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کے ماننے والے بھی اسی دور کے لوگ ہوں گے۔ سو اس میں شک نہیں کہ اکابر صحابہؓ اجتہاد سے جو مسائل بتاتے تھے دوسرے صحابہؓ انکی پیروی کرتے تھے اور ہر بات میں ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا ان کا طریق نہ تھا عمل کی زیادہ سرحدیں اجتہاد سے عبور کی جاتی تھیں اور علم ہوتے ہوئے بھی زیادہ علم والے کی پیروی کرنا (تقلید اعلم) کسی جہت سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا بعض صحابہؓ حضورؐ کی زندگی میں افتاء کا کام کرتے رہے اور ان کا امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کو ادا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے ہوتا تھا۔

اگر اس وقت امت کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس کو اکابر صحابہؓ کے فتووں اور فیصلوں کی ضرورت ہو تو یہ اکابر آخر کن لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے؛ یہ صورت حال کیا اس کا پتہ نہیں دیتی کہ مطلق تقلید صحابہؓ کے وقت میں جاری تھی اور اسے خیر القرون میں کسی جہت سے عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ عہد صحابہؓ اور تابعینؒ میں سینکڑوں ایسے لوگ تھے جنکی پیروی امت میں جاری تھی اور وہ حضرات اپنے اپنے حلقے میں مجتہد مطلق تھے لیکن جب ائمہ اربعہؒ نے اصول فقہ مرتب کیے اور اسلام کا ذخیرہ علم مدون ہو گیا تو اب وہ کثیر اختلافات سمٹ کر چار میں محدود ہو گئے اور وہ بھی کہیں کہیں ۔ ائمہ کی ان محنتوں سے عہد صحابہؓ کے اختلافات کم ہوتے گئے اور امت وسعت عمل کی سہولت کے ساتھ ساتھ ایک وحدت میں آتی گئی۔ اسلام کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اپنے چار فقہی اختلافات کے باوجود ایک قوم اور ایک امت ہیں۔

لہ تیسیر التحریر جلد ۴ صد ۲۴۳

اُمّت کا آغاز ہی اعتماد سے ہُوا ہے

اس دین کی ابتداء اعتماد سے قائم ہوئی اور اب تک امت اس اعتماد کے سایہ تلے اپنے اسلاف سے وابستہ رہی ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك علی الصحابة وتبع تابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلك لان الشریعة لایعرف الا بالنقل و الاستنباط والنقل لایستقیم الا بان یاخذ کل طبقة عمن قبلھا بالاتصال[1]

ترجمہ: بیشک امت کا اس پہ اتفاق رہا کہ شریعت جاننے میں وہ سلف پہ اعتماد کریں۔ تابعین کرامؒ نے اس میں صحابہؓ پہ اعتماد کیا اور تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پہ ـــــ اور اسی طرح ہر طبقہ علماء اپنے سے پہلوں پہ اعتماد کرتا رہا عقل بھی اس اعتماد کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے۔ شریعت کی راہ نقل و استنباط کے سوا کوئی نہیں اور نقل قائم نہیں ہوتی جب تک ہر طبقہ اس میں اپنے سے پہلے طبقے سے متصل نہ ہو۔

پھر ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ تقلید مطلق صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں شروع ہو چکی تھی اور اس کا کوئی منکر نہ تھا کہ کسی صاحبِ علم پہ اعتماد کر کے اس کی بات کو مان لینا کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہی بات کہے گا۔ اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا جائز ہے اور دو وقت کی ایک بڑی

---

[1] عقد الجید صـ۳٦

ضرورت ہے۔ حافظ خطیب بغدادیؒ کا بیان آپ الفقیہ والمتفقہ سے دیکھ آئے ہیں۔ عہدِ صحابہؓ میں اہلِ عراق اہلِ حجاز اور اہلِ شام میں فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر قائم ہو چکے تھے۔ ان میں اختلاف تو تھا لیکن خلاف نہ تھا اور تقلید عام رائج تھی۔

امام مسلم لکھتے ہیں اسلام کے پہلے دور میں سند نہیں مانگتے تھے اعتماد سے کام چلتا تھا۔

دائرہ اجتہاد میں اگر امام کو صاحب مذہب کہہ دیا جائے تو ابتدائی دور میں اسے ہرگز عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد صحابیؓ ہیں۔ حضرت معاویہؓ بھی ایک مجتہد درجے کے صحابی ہیں۔ کسی مسئلے میں ان دونوں اماموں کا موقف ایک تھا۔ اسے امام نوویؒ شارح صحیح مسلم ان لفظوں میں نقل کرتے ہیں:۔

وهو مذهب معاذ بن جبل ومعاوية۔[1]

ترجمہ۔ یہ مذہب ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کا اور معاویہؓ کا۔

حافظ ابن قیمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے موقف اور رائے کو بھی مذہب کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ ابن قیمؒ امام محمد بن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) سے نقل کرتے ہیں۔

لم یکن احد له اصحاب معروفون حرروه فتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعودؓ وکان یترك مذهبه وقوله لقول عمر وکان لایکاد یخالفه فی شیٔ من مذاهبه۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا جس کے اتنے معروف شاگرد ہوں اور فروعات میں اس کے فتووں اور مذاہب کو قلمبند کرتے ہوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کا فتوے سامنے آنے پر اپنا مذہب اور قول سب چھوڑ دیتے تھے اور حضرت عمرؓ سے ان کے کسی مذہب (فتوے) پر اختلاف نہ کرتے تھے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۔ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶

اس سے پتہ چلا کہ عہدِ صحابہؓ میں کسی امام فقہ کی طرف مذہب کی نسبت ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔

سو بعد کے یہ الفاظ کہ یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور یہ مذہب ہے امام مالکؒ کا. علمی دُنیا میں ہرگز کسی وحشت کا سبب نہ ہو چاہئیں۔ پہلے دور میں تقلید صرف عامی کے لیے نہ تھی. بڑے بڑے ائمہ بھی اپنے سے بڑے اہل علم کی پیروی کرتے تھے اور اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں :-

فلا تجد احداً من الائمة الا وھو مقلد من ھو اعلم منہ فی بعض الاحکام۔[1]

ترجمہ. اور اس لیے تم ائمہ میں سے کسی کو نہ پاؤ گے مگر یہ کہ وہ کچھ مسائل میں اپنے سے زیادہ علم والوں کی تقلید کرتا ہوگا.

صحابہؓ میں عالم اعلم کی اقتدا میں

(۱) —— حضرت عمرؓ کے علم و فضل اور فقہ و بصیرت میں کسے تردد ہو سکتا ہے. آپ نے ارادہ کیا کہ کعبہ میں جتنا سونا چاندی دھرا ہے وہ سب لوگوں میں تقسیم کر دوں. حضرت شیبہ بن عثمانؓ نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں. حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نہیں کیا. حضرت شیبہ بن عثمانؓ کہتے ہیں :-

قلت لیس ذٰلک لک قد سبقک صاحباک لم یفعلا ذٰلک فقال ھما المرأن یقتدی بھما۔[2]

ترجمہ. میں نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں. آپ کے دونوں پہلے ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا. حضرت عمرؓ نے فرمایا. واقعی وہ دو ایسی ہستیاں ہیں کہ ان کی پیروی کی جانی چاہیئے۔

---

[1] الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة صـ ۶۸ [2] مسند امام احمد جلد ۳ صـ ۴۱۰

حضورؐ تو حقِ رسالت میں لائقِ اقتداء ہیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کیوں؟ یہ محض اس لیے کہ عالم کے لیے اپنے سے بڑے عالم کی اقتداء میں چلنا جائز ہے۔ گو ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔ لیکن اگر کوئی کرے تو یہ شرک فی الرسالت نہیں کسی نے حضرت عمرؓ کو نہ کہا کہ آپ نے ھما المرأن یقتدی ــــ بھما کہہ کر حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ اگر تقلید شریک فی الرسالت ہوتی تو صحابہؓ حضرت عمرؓ کے اس فرمان پر ضرور نکیر کرتے۔

(۲) ــــ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم وفضل اور فقہ وبصیرت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ چلا۔ آپ نے کہا۔ اگر حضرت عمرؓ اسے اختیار کرلیں تو میں بھی اس کے لیے تیار ہوں۔ حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

کان یترک مذھبہ وقولہ لقول عمر وکان لا یکاد یخالفہ فی شیٔ من مذاھبہ ویرجع من قولہ الیٰ قولہ وقال الشعبی کان عبداللہ لا یقنت وقال لو قنت عمر لقنت عبداللہ۔[1]

ترجمہ۔ آپ اپنی تحقیق اور اپنا قول حضرت عمرؓ کے فیصلے کے آگے چھوڑ دیتے تھے اور اپنے فیصلوں میں کبھی ان کا (حضرت عمرؓ) خلاف نہ کرتے تھے اپنی بات سے ان کی بات کی رجوع کرتے۔ علامہ شعبیؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (فجر کی نماز میں) قنوت نہ پڑھتے تھے۔ فرماتے اگر حضرت عمرؓ یہ دعائے قنوت پڑھیں تو میں بھی پڑھ لوں گا۔

(۳) ــــ ایک صحابی نہیں صحابہؓ کا گروہ کا گروہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پیروی میں کس طرح چلا اسے حضرت ابومسلم الخولانی سے سنیئے :-

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صـ۱۶

آپ کہتے ہیں میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں ایک علمی حلقہ دیکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھیڑ عمر کے کئی صحابہؓ نظر آئے۔ ان میں ایک نوجوان جس کی آنکھیں سرمگیں تھیں اور اگلے دانت چمکدار تھے بیٹھا تھا ابو مسلمؒ کہتے ہیں:۔

کلما اختلفوا فی شیء ردوہ الی الفتی فتی الشاب قال قلت لجلیس لی من ھذا قال ھذا معاذ بن جبل[1]

ترجمہ: جب وہ حضرات کسی شئے میں اختلاف کرتے تو آخرکار اسے ایک نوجوان کی طرف لوٹاتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ اس نے بتایا معاذ بن جبلؓ۔

پیش نظر رہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہاں بطور قاضی مقدمے نہ سن رہے تھے۔ مسائل کا علمی مذاکرہ تھا اور سب اعلم کی طرف رجوع کر رہے تھے اور وہ نوجوان مدینہ منورہ سے حضورؐ سے مجتہد ہونے کی سند لے کر آیا تھا۔ ان موجود صحابہؓ کا اپنے اجتہاد سے رکنا اور حضرت معاذؓ کی رائے پر آجانا یہ حضرت معاذؓ کی تقلید تھی:۔

اذا اختلفوا فی شیء اسندوا الیہ وصدروا عن رایہ۔[2]

ترجمہ: جب صحابہؓ میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو جاتا تو وہ اسے حضرت معاذؓ کے سپرد کرتے اور ان کی رائے کو (ان کے فتوے کو) لے کر لوٹتے۔

اہل علم کا فتوے وہ علمی رائے ہے جسے وہ صادر کرتے ہیں۔ اس پر انہیں یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ رائے پر چلتے ہیں۔ جو رائے کتاب و سنت کی روشنی میں قائم کی جائے وہ اجتہاد ہے فقہ ہے محض رائے نہیں نہ اسے محض رائے کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے۔

(۴) ——— کوفہ میں دو ہی بڑے عالم تھے۔ ایک والی کوفہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ——— حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو بقول صفوان بن سلیم

---

[1] مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۳۶ [2] ایضاً ص ۲۳۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجاز فتوے ہو چکے تھے۔ کوفہ میں ان دنوں حضرت علیؓ نہ آئے تھے۔ خلافتِ عثمانی میں یا فتوے یہاں حضرت ابو موسےؓ کا چلتا تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا —— ایک مسئلہ میں حضرت ابو موسےؓ کی رائے اور تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اور —— جب حضرت ابو موسےؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا :-

لا تسئلونی مادام ھٰذا الحبر فیکم۔[1]

ترجمہ۔ مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

یہ مسئلہ وراثت کے باب میں تھا۔ ایک دفعہ رضاعت میں ایک مسئلہ اٹھا اس وقت بھی حضرت ابو موسےؓ نے یہی کہا :-

لا تسئلونی عن شیء ما اقام ھٰذا بین اظھرنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ۔ مجھ سے تم کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو جب تک عبداللہ بن مسعودؓ ہم اصحابِ رسول میں موجود ہیں۔

یہ صورتِ عمل تمام اہل کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ نے تو بقسم کہہ دیا تھا :-

واللہ لا افتیکم ما کان بہا۔[3]

ترجمہ۔ بخدا میں تمہیں کبھی فتوے نہ دوں گا جب تک یہ وہاں موجود ہیں۔

(۵) —— ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ اپنے سے اعلم، حضرت علی المرتضیٰؓ کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے کوئی رائے قائم کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ [2] رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۲ [3] رواہ عبدالرزاق کما فی کنز العمال صفحہ ۲۴۲

عن ابن عباسؓ قال اذا حدثنا ثقة عن علی لم نتجاوزها۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں جب کوئی ثقہ شخص ہمیں کہہ دے کہ علیؓ نے ایسا کہا ہے تو پھر ہم کسی اور طرف نہ جاتے تھے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے۔ مکہ کے رستہ میں نازیہ کے مقام پر اپنی سواریاں گم کر بیٹھے۔ اس تلاش اور پریشانی میں حج کا دن بھی گزر گیا۔ قربانی کے دن (۱۰ تاریخ کو) آپ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔

فقال عمر بن الخطابؓ اصنع ما یصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادرکك الحج قابلاً فاحجج واھد ما تیسر من الھدی۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ وہ کریں جو عمرے والا کرتا ہے (حج کا دن تو گیا) آپ احرام سے نکل آئیں گے جب اگلے سال آپ کو حج ملے تو حج کریں اور جو قربانی میسر ہو دے دیں۔

دیکھیئے یہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے نہ حدیث پوچھتے ہیں۔ ان کے اعتماد پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں۔ اگر کسی عالم کے قول پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عمرؓ کی تقلید کیوں کرتے۔ ان سے دلیل کیوں نہ پوچھتے؟

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۶۰ [2] موطا امام مالک صفحہ ۱۴۹

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کس حیثیت کے آدمی تھے ؛ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں. آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھی. حضرت عمرؓ نے کس طرح آپ کو تقلید اعلم کی تربیت دی. یہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں. آپ پر اس کا اتنا اثر تھا کہ جب آپ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے الیکشن کمیشن مقرر ہوئے تو آپ نے نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کے لیے اتباعِ سیرتِ شیخین کی پابندی لگائی۔

کیا اس وقت کتاب و سنّت کی پیروی کافی نہ تھی ؛ یقیناً تھی لیکن ان کے سمجھنے میں اگر کہیں اہل علم کا اختلاف ہو جائے تو شیرازۂ امت بندھا رکھنے کے لیے قرآن و حدیث کے بعد بھی بڑوں کی پیری لازمی ٹھہرتی ہے. حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب یہ شرط پیش کی تو امت کے اکابر صحابہؓ موجود تھے. کسی نے اسے کتاب و سنّت پر زیادتی نہ سمجھا. صحابہؓ کی اکثریت نے اسے درست سمجھا.

حضرت عثمانؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عثمانؓ خود مجتہد تھے. ان کی علمی اور فقہی منزلت سے کون واقف نہیں. آپ مدتوں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سیکرٹری رہے اور خلافت کی تمام ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھے بایں ہمہ آپ نے سیرتِ شیخین کی پابندی کی شرط قبول فرمائی اور اسے خوب نبھایا. اگر کہیں کسی باب میں اختلاف کیا تو اس طرح جس طرح امام محمد اور طحاوی کبھی امام ابوحنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرلیں۔

حضرت علیؓ خلفائے ثلثہؓ کی پیروی میں

آپ خود فرماتے ہیں میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر انہوں نے میری بیعت کی جن شرائط پر انہوں نے ان کی بیعت

کی تھی. ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمانؓ سے یہ شرط لی گئی تھی تو حضرت علیؓ کی بیعت میں بھی یہ شرط ضرور ہو گی. آپ فرماتے ہیں :۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ۔[1]

ترجمہ: میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے پہلوں کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر جو ان سے کی گئیں.

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں کوئی ایسا کام بھی نہ کر سکتے تھے جو ان کے تین پیشروؤں کے خلاف ہو.

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔[2]

ترجمہ: حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں دیکھا کہ لوگ اکثریت سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اچھی سیرت کے قائل ہیں. آپ یہ ہمت نہ رکھتے تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے خلاف ہو.

حضرت علیؓ باوجود مجتہد ہونے کے اپنے پیشروؤں کی پیروی کرتے رہے. فدک کی زمین آپ کی حدودِ ولایت میں تھی. آپ نے وہ حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو نہ دی. اس کی آمدنی اہلبیت کرام کو دیتے رہے اصل زمین بیت المال کی ملکیت رہی. علی نقی شارح نہج البلاغۃ لکھتا ہے :۔

ابوبکر غلہ و سود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد و خلفاء بعد از او ہم بر آں اسلوب رفتار نمودند۔[3]

پھر حضرت حسنؓ نے بھی حضرت معاویہؓ پر یہ شرط لگائی کہ وہ پہلے خلفاء کرام کی سیرت پر چلیں ان دنوں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ پیغمبر کے سوا کسی کی پیروی نہ کرو.

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ [2] مجالس المؤمنین جلد ۱ صفحہ ۵۴ [3] شرح نہج البلاغۃ جلد ۵ صفحہ ۹۶۰

تابعینؒ صحابہؓ کے اقوال کی پیروی میں

تابعینؒ میں صحابہؓ کے قول کی پیروی ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ ان میں ایسے لوگ نہ تھے جو کہیں اقوال کو چھوڑو حدیث کی تلاش کرو۔ ان کے ذہن میں اقوال فقہ حدیث کے مقابل نہ تھے حدیث کا حاصل عمل ہی ان کے ہاں قول فقہ سمجھا جاتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے :-

ان اهل المدينة سألوا ابن عباسؓ عن المرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زيد[1]

ترجمہ۔ مدینہ کے لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا۔ ایک عورت فرض طواف کے بعد ایام میں ہو گئی۔ اب کیا وہ (طواف وداع کیے بغیر) جا سکتی ہے؟ آپ نے کہا جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کا قول نہ لیں گے زید بن ثابتؓ کے قول پر رہیں گے۔

مدینہ والے دلیل کی تحقیق نہ پڑے۔ انہوں نے یہ نہ کہا کہ اس مسئلے میں حدیث کی تلاش میں بلکہ ان کے ہاں فقہاء صحابہؓ کے اقوال پر عمل کرنا کسی قول کو لینا اور کسی کو نہ لینا دین پر عمل کرنے کی ایک راہ تھی۔ یہ تقلید ہے کہ اہل علم کے قول پر بایں خیال کہ وہ دلیل کے مطابق بات کہیں گے عمل کرنا اور دلیل کی بحث میں نہ پڑنا یہ وہ راہ ہے جس پر قومیں ہمیشہ چلی ہیں۔ اس سے پتہ چلا مدینہ والوں میں ان دنوں حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید جاری تھی۔

دلیل کی طرف حضرت ابن عباسؓ نے توجہ دلائی کہ مدینہ جا کر حضرت ام سلیمؓ سے پوچھ لینا مگر مقلدین اس قول پر رہے جب تک کہ حضرت زیدؓ نے اس سے رجوع نہ کر لیا ——— حضرت زیدؓ نے اپنے اس فیصلے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو بھی دی۔ یہ مجتہدین کا اپنا معاملہ ہے مقلدین اپنے امام کے قول کے پابند رہنے میں کوئی شرعی حرج نہ سمجھتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۷

تقلید کی ایک اور مثال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص پر ایک معین مدت کا قرض ہے صاحب مال کو ضرورت پڑی وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم واپس مانگتا ہے اور اس قبل از مدت لینے کے بدلے اپنا مال چھوڑتا ہے کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے ؟

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں :۔

فکرہ ذٰلک ونھی عنہ[1] ــــ موطا صـــ

ترجمہ:آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اس سے اسے روک دیا۔

سائل نے آپ سے اس قول کی دلیل نہیں پوچھی نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر کوئی دلیل بیان کی یہی تقلید ہے کہ مجتہد کے علمی اعتماد پر کوئی مقلد اس کے قول پر عمل کرے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اس فتوے پر قرآن کریم یا سنت نبوی سے کوئی دلیل پیش نہیں کی حضرت ابو ایوبؓ نے اس پر بلا طلب دلیل عمل کیا۔ دوسرے کے قول پر بلا طلب دلیل عمل کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ کے عہد میں تقلید جاری تھی اور صحابہؓ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ا مجتہد یا ۲ مقلد ـــ غیر مقلد ان دو میں کوئی نہ تھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں لکھتے ہیں :۔

صحابہ و تابعین ہمہ در یک مرتبہ نبودند بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند و بعض مقلد۔ قال اللہ تعالیٰ لعلمہ الذین یستنبطونہ وحقیقت اجماع اتفاق مجتہدین است وغیر مجتہدین را در حل وعقد مدخل نیست پس دلیل ثالث از ادلہ اربعہ کہ اخذ باں واجب است اتفاق مجتہدین لاغیر اگر در مسئلہ بعض اہل تقلید قولی گفتہ باشند و مجتہدین اتفاق نمودہ باشند بر قول دیگر دلیل قطعی کہ اخذ باں واجب است ہماں قول مجتہدین خواہ بود۔[2]

اس سے واضح ہوا کہ دور صحابہؓ میں مقلدین تو تھے مگر غیر مقلدین اس دور میں کہیں نہ تھے۔

---

[1] موطا امام مالک صـــ [2] قرۃ العینین صـ۲۵۱ مکتبہ سلفیہ لاہور

عہدِ صحابہؓ میں تقلید کا ایک اور ثبوت

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں ہم ایک دفعہ احرام باندھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں سامنے سے ایک ہرن گزرا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسے ایک پتھر مارا۔ آپ کا ارادہ اسے مارنے کا نہ تھا۔ مگر وہ مر گیا۔ اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ احرام کی حالت میں یہ کسی جانور کو مارنا کیسا ؟ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا تو نے یہ پتھر عمداً مارا یا خطاً ؟ — انہوں نے کہا پتھر تو عمداً مارا تھا مگر ہرن کو مارنے کا ارادہ نہ تھا آپ نے فرمایا تم نے عمد اور خطا کو جمع کر دیا ہے۔ عمد کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے خطا کی صورت میں صدقہ۔ لیکن یہ ایک عجیب صورت حال تھی عمد اور خطا جمع تھے۔ جب کچھ تردد پیدا ہو جائے اس کا فائدہ قصوروار کو پہنچتا ہے۔ آپ نے انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو دے دیا جائے

یہ حضرات بھی اہلِ علم تھے وہاں تو نہ بولے لیکن واپس آتے آپس میں کہنے لگے حرم میں جانور کا قتل بڑا سنگین معاملہ ہے ہمیں کفارہ دینا چاہیئے اور ایک اونٹ ذبح کرنا چاہیئے۔ حدیث میں یہ مسئلہ کہیں مذکور نہ تھا کہ یہ حضرات اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اب اجتہاد سے چارہ نہ تھا یہ حضرات اپنا اجتہاد کریں یا حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کریں۔

یہ صرف تقلید اعلم کا مسئلہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ امام فقہ تھے۔ بلادلیل اگر کسی کا قول قبول کیا جائے تو وہ قول کسی بڑے عالم کا ہونا چاہیئے۔ جتنا کسی کا علم اونچا ہو گا اتنا اس پر اعتماد پختہ ہو گا کہ اس کے فیصلے میں کتاب و سنت کی روح کارفرما ہو گی۔ کسی کی بات بلادلیل ماننی ہے تو پھر وہ کسی بڑے امام کی بات ہونی چاہیئے۔

قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں کہ ہماری بات کی حضرت عمرؓ کو خبر ہو گئی۔ آپ غصہ میں بھرے تشریف لائے اور کوڑے مارنے لگے۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:-

تقتلت فی الحرم وسفهت الحکم وتغمض الفتیاء۔ تفسیر ابن جریر جلد، ص۳

ترجمہ: تُونے جانور کو حرم میں مارا میرے حکم کو بے وقوفی سمجھا اور اس فقہی فتوے کو نظرانداز کیا۔ (یہ کوڑے اس کی سزا ہیں)۔

معلوم ہوا جس مسئلہ قرآن و سنّت کا منصوص فیصلہ نہ ملے اس میں صحابہؓ بھی فقہ سے کام لیتے تھے۔ امام کے فتویٰ کو معمولی سمجھنا ان کے ہاں ایک قابل تعزیر جرم تھا۔ ایسے مسائل میں صرف اتباع عالم کافی نہیں شیرازۂ امت کو بندھا رکھنے کے لیے تقلید اعلم کی ضرورت ہے۔

سوال: اگر اس دور میں صحابہؓ کی تقلید ہوتی تھی تو آج بھی انہی کی تقلید چاہیئے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں اختیار کی گئی ہے؟

جواب: صحابہ کرامؓ بے شک ایک اُونچے درجے کے امام فقہ تھے۔ مگر ان کا مذہب اپنے جملہ اصول و فروع کے ساتھ مدون نہیں ہوا۔ بطور ضابطہ کے تقلید ان ائمہ علم کی ہونی چاہیئے جن کا مذہب اصول و فروع میں مدون ہو چکا ہو اور ضرورت کے ہر موقع پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اسی امت میں اس پیرائے میں جو مذاہب مدون ہوئے وہ صرف چار ہی ہیں۔

پھر ان ائمہ علم کے اپنے فیصلوں میں پہلے دور کے ائمہ علم (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ) کی پیروی موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو فیصلے ہمیں صحابہؓ سے ملیں ہم انہیں بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ سو آپ کی فقہ از خود صحابہؓ کی فقہ کو شامل ہے۔

حضرت معین الدین اجمیری نے بجا لکھا ہے:۔

امام اعظم حضرت فاروق اعظمؓ کے مقلد ہیں۔ بس   القول الاظہر ص۱

آگے یہ اللہ رب العزت کی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر عنایت ہے کہ ان کا مذہب اصول و فروع میں اس طرح مدون ہوا ہے کہ اس کی علمی دنیا میں اور کوئی مثال نہیں ملتی   ان کے قریب قریب اور کسی امام کے مذہب کی تدوین پہنچتی ہے تو فقہ شافعی ہے۔

سو اس امت میں مسائل غیر منصوصہ میں اگر کوئی مذاہب فقہی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں تو وہ یہ مذاہب اربعہ ہی ہیں اور اس امت میں ایسے مواقع میں صرف انہی کی پیروی جاری ہوئی ہے۔

مقلد اپنے امام کے خلاف کیا صحابہؓ کی بات کو لے

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کا مرتبہ ائمہ اربعہ کے مقام سے بہت اونچا ہے کوئی غیر صحابی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پا سکتا کئی صحابہ ہیں جو بہ نص نبوی جنتی ہیں اور وہ سعادت ابدی پا چکے اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا تاج تو سب صحابہؓ کے سروں پر ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کے مذاہب باضابطہ مدون نہ ہو پائے کہاں مطلق کی تقیید ہے اور کہاں عام کی تخصیص علم کے یہ پہلو ان کی روایات کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے —— ائمہ اربعہ کی فقہیں جو مدون ہوئیں ان میں یہ ساری بحثیں ہو چکی ہیں۔ فقہ کی کتابوں کے حاشیے در حاشیے ان امور کی وضاحتوں میں لکھے گئے ہیں۔ سو ائمہ اربعہ کی مدون فقہ کے مقابل محض روایات پر گو وہ روایات صحابہؓ کی ہوں اپنے عمل کی بنیاد رکھنا اور ان روایات میں تقیید مطلق اور تخصیص عام خود کرنا ہرگز قرین دانش نہیں۔ یہ حق تو مجتہدین حضرات کا تھا۔

امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمین (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں :-

ومما يتعين ذكره ان من وجد فى زمانه مفتيا نتعين عليه تقليده وليس له ان يرقى الى مذاهب الصحابة وبيان ذلك انه اذا ثبت مذهب ابى بكر الصديق فى واقعة وفتوى مفتى الزمان خالفت مذهبه فليس للعامى المقلد ان يوثر تقديم مذهب ابى بكر الصديق من حيث انه عقيدته افضل الخليفة بعد المرسلين عليهم السلام فان الصحابة وان كانوا صدور الدين واعلام المسلمين ومفاتيح الهدى ومصابيح الدجى فما كانوا يقدمون تمهيد الابواب وتقديم الاسباب قبل وقوعها. . . . فمن ظهر له وجوب اتباع الشافعى لم يكن له ان يؤثر مذهب ابى بكر على مذهب الشافعى وهذا متفق عليه .[1]

---

[1] الغیاثی ص ۱۷۱

ترجمہ. جو اپنے زمانہ میں کسی مفتی کو پائے اس پر اس کی تقلید کرنا متعین ہوگا اور اُسے یہ حق نہ ہوگا کہ مذاہب صحابہ کی طرف بڑھے جب کسی واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مذہب کا پتہ چلے اور وقت کے مفتی کا فتویٰ اس کے خلاف ہو تو عامی مقلد کے لیے یہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے مذہب کو مقدم کرے اس حیثیت سے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل شخصیت ہیں سو صحابہؓ اگرچہ دین کے سردار مسلمانوں کے بڑے ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن انہوں نے واقعات پیش آنے سے پہلے نہ مسائل کے ابواب کی تمہیدیں باندھیں اور نہ ان وقائع کے اسباب مقدم رکھے (یہ وہ کام ہے جو فقہ مدون کرنے والے مجتہدین نے کیا) سو جس کا امام شافعی کی اتباع کرنا واضح ہو اسے نہ چاہیئے کہ اپنی رائے سے حضرت ابوبکرؓ کے مذہب کو امام شافعی کے مذہب پر ترجیح دینے لگے ـــ یہ مسئلہ علماء میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر سب فقہا متفق ہیں.

امام الحرمین نے اپنے اس موقف کو متفق علیہ موقف قرار دیا ہے جس پر سب فقہاء کا اتفاق ہوا مذاہب اربعہ کے مقلدین اپنے مذہب کو تمہید ابواب تقدیم اسباب سے اور اصول و فروع سے مرتب کر چکے. ان روایات کو (کہ وہ اکابر صحابہ کی ہوں) سامنے لانا جن کے مطلق کی ابھی تقیید نہیں ہوئی اور عام کی تخصیص نہیں موجودہ دور کے اہلِ علم کا کام نہیں. اب صحابہ کی اتباع بھی ان ائمہ اربعہ کی اتباع کے ذریعہ ہی آئے گی. ائمہ اربعہ کے مذاہب جو مدون ہوئے وہ صحابہؓ کے مذاہب فقہیہ کی ہی منضبط صورتیں ہیں.

اہل سنّت کا عقیدہ ہے. مذاهب الائمة لا تنقطع بموتهم.[1]

ترجمہ. ائمہ مجتہدین کے فتوے اُن کی وفات کے بعد چلتے ہیں.

---

[1] الغیاثی للامام الحرمین ص۴۱۳ ص۴۱۴

علامہ عبد الرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:-

لا یجوز تقلید الصحابۃ وکذا تقلید التابعین کما قالہ امام الحرمین من کل من لم یدون مذھبہ فیمتنع تقلید غیر الاربعۃ فی القضاء والافتاء لان المذاھب الاربعۃ انتشرت وتحررت حتی ظھر تقیید مطلقھا وتخصیص عامھا بخلاف غیرھم لانقراض اتباعھم وقد نقل الامام الرازی اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابۃ واکابرھم[1]

ترجمہ: صحابہؓ کی اور اسی طرح (اکابر) تابعین کی جیسا کہ امام الحرمین (۸/۴۷۸ھ) نے کہا ہے جن کے مذاہب مدون نہیں ہو پائے تقلید جائز نہیں سو قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہ ہوگی کیونکہ ان کے مذاہب پھیل چکے اور لکھے جا چکے ہیں (پوری طرح مدون ہو چکے) ان کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص ظاہر ہو چکی بخلاف دوسرے مجتہدین کے (جیسے امام ثوری لیث مصری اور اسحٰق) کہ ان کے ماننے والے نہ رہے بلکہ امام رازی نے اس پر محققین کا اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اکابر صحابہؓ کی تقلید سے روکا جائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اربعہ کا درجہ صحابہؓ سے زیادہ سمجھا گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ارشادات ہمیں صرف کتب حدیث میں ملتے ہیں اور یہ بات ہمیں صرف علماء کے بتلانے سے معلوم ہوتی ہے کہ ان کا کونسا مطلق حکم دوسری نصوص کی روشنی میں تقیید چاہتا ہے اور ان کا کونسا عام حکم تخصیص رکھتا ہے لیکن ائمہ اربعہ کے مذاہب ان جیسے امور میں ایسے مدون ہو چکے ہیں کہ ان کی بات پر کھل چکی ہے۔ امت کی ضرورات میں قضاء اور افتاء ایسے نازک مراحل ہیں کہ کسی بھی بے پرواہی سے کسی مسلمان کا کوئی حق رہ جائے تو یہ آخرت میں قاضی اور مفتی کے ذمہ ہوگا سو ایسی صورت میں احادیث اور اکابر صحابہؓ کے اقوال سے خود کسی مسئلے کو ترتیب دینا اس کے مطلق کی تقیید کرنا یا اس کے عام کی تخصیص کرنا یا مجمل کی

---

[1] شرح جامع للسیوطی نقلاً عن خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق للشیخ عبد الغنی النابلسی مذ۴۷ تالیف ۱۰۸۲ھ

تفصیل کرنا کسی احتمال خطا سے خالی نہیں لیکن فقہ مذاہب اربعہ میں یہ سب امور طے ہوئے ملیں گے ان کے اصول وفروع سب مدون ہو چکے اور ایک ایک بات حاشیہ در حاشیہ میں آکر کھل چکی سو قضا اور افتاء انہی کے مطابق چاہیئے خود سے صحابہ اور اکابر تابعین کے اقوال سے استنباط نہ کریں۔ شیخ عبدالغنی النابلسی (م) پہلے اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

واما تقلید مذهب من مذاهبهم الآن غیر المذاهب الاربعة فلا یجوز لا لنقصان فی مذاهبهم و رجحان المذاهب الاربعة علیهم لان فیهم الخلفاء المفضلین لعدم تدوین مذاهبهم وعدم معرفتنا الآن بشروطها وقیودها وعدم وصول ذلك الینا بطریق التواتر حتی لو وصل الینا شیٔ من ذلك جاز لنا تقلیده لکنه لم یصل کذلك

ترجمہ: سو اب ان مذاہب اربعہ کے سوا ان اکابر میں سے کسی کے مذہب کی پیروی کرنا جائز نہیں یہ اس لیے نہیں کہ ان کے مذاہب میں کچھ کمی ہے اور ان مذاہب اربعہ کو ان پر کچھ ترجیح ہے کیونکہ ان میں وہ خلفاء راشدینؓ بھی ہیں جنہیں تمام امت پر فضیلت حاصل ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے مذاہب کا (اصول وفروع کے طور پر) مدون نہ ہونا ہے اور ہم ان کے فیصلوں کی شروط وقیود کو بھی نہیں جانتے اور وہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچے بھی نہیں اگر ہم تک ان کی یہ تدوین پہنچتی تو ہمارے لیے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا لیکن ان کے مذاہب ہم تک [illegible] ح نہیں پہنچے۔

اس تفصیل پر ذرا غور فرمائیں کہ اب جو لوگ مقلدین پر فقہ کی پیروی میں یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ جب کھلی احادیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہیں تو وہ فقہ کو حدیث پر ترجیح دے رہے ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان احادیث اور آثار صحابہ میں نئے سرے سے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص معلوم کرنا عام علماء کے بس کا روگ نہیں۔ اس طرح اور کئی نئے مذاہب اُبھریں گے اور امت میں ان علماء کی پیروی اور بھٹک جائے گی جو سرے سے مجتہد نہیں اور پوری روایات پر اُن کی نظر نہیں ۔

ے ایضاً ص۳

یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے نقشِ قدم پر چلیں اور ہم اس لائق تبھی ہو سکتے ہیں کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے طریقے پر چلیں۔ ؎

کہتے ہیں دوستو! ماعرفنا سبھی
مبتدی ہو کوئی یا کہ ہو منتہی
مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی
اس حقیقت سے واقف ہیں اہلِ نظر

امام بخاریؒ اس آیت کا مضمون ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں :۔

واجعلنا للمتقین اماماً قال ائمۃ نقتدی بمن قبلنا ویقتدی بنا من بعدنا۔[1]

ترجمہ۔ اور تو ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم پہلوں کی اقتدا کرنے والے ہوں اور جو ہمارے بعد آئیں وہ ہماری پیروی کرنے والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ آپ نے فرمایا :۔

ائتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم۔[2]

ترجمہ۔ تم میری اقتدا کرو اور وہ جو تمہارے بعد آئیں وہ تمہاری پیروی کریں۔

اس میں آپ نے شریعت کا تسلسل بتا دیا۔ یہ اس طرح ہو گا کہ آنے والے لوگ صحابہؓ کی پیروی کریں۔ یہی راہ تاریخ میں شریعت کے تسلسل کی ہے

حافظ ابن حجرؒ اس روایت پر لکھتے ہیں :۔

وقیل معناہ تعلموا منی احکام الشریعۃ ویتعلم منکم التابعون بعدکم وکذلک اتباعھم ۔ ۔ ۔ الی انقراض الدنیا۔[3]

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے احکامِ شریعت سیکھو اور تم سے تمہارے بعد آنے والے تابعین دین سیکھیں۔ اس طرح آگے پیرو ان کی پیروی کریں اور یہ نظام دنیا ختم ہونے تک رہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۰ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۹۹ [3] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۷۱

اب سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ان مذاہب اربعہ ہی سے قضاء وافتاء کی ضرورتیں پوری کی جائیں ؎

نہ اجتہاد عالماں کوتاہ نظر ــــ اقتدار رفتگان محفوظ تر

مقلد مجتہد کی پیروی میں جو فتویٰ دے گا اس میں اسے بھی خطا پہ ایک اجر ملے گا۔

محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

حکم المقلد فی المسئلۃ الاجتہادیۃ کالمجتہد[1]

قرآن کریم میں امت کے تسلسل کا سبق

تاریخ تقلید اسی سے قائم ہوئی ہے کہ پچھلے پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور عمل کے ہر مرحلے پر دلیل کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ ہو۔ یہ راہ بھی صحابہؓ کی اپنی اختیار کردہ نہیں۔ اللہ رب العزت کی تعلیم یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی ایک یہ دعا بتلائی ہے۔ وہ اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

واجعلنا للمتقین اماما۔ (پ۱۹ الفرقان آیت ۷۴)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

ترکِ تقلید سے اُمّت میں اتحاد پیدا ہوا یا انتشار

ترکِ تقلید سے انسان میں جو آزادی پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہر انسان کی سوچ اور فکر اپنی اپنی ہوگی۔ احادیث بھی اسے ایک راہ پر نہ رکھ سکیں گی کیونکہ احادیث کا آپس میں بہت اختلاف ہے اور ہر جگہ ترجیح نہیں ملتی کئی جگہ تطبیق بھی دینی پڑتی ہے۔ ائمہ میں جو اختلاف اُبھرے وہ انہی احادیث کی بنا پر ہی تو تھے ــــ سو اگر تقلید نہ کی جائے تو امت میں اتنے اختلافات اُبھریں گے کہ پھر اُن کو سمیٹا نہ جا سکے گا اور اس پر کئی سابق تجربے گواہ ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۸۸۸ء کے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ صد۴ پر اپنے پچیس برس کے تجربے کا حاصل یہی بتایا ہے۔

---

[1] راجع لہ خلاصۃ التحقیق للنابلسی ص۵

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) خلفائے راشدینؓ کی مقتدا، وحیثیت کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں:-

وکذلک فعل ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ..... انہم الائمۃ الاعلام

وقادۃ الاسلام ویقتدی بہم فی عصرھم وبعدھم[1]

ترجمہ۔ اور اسی طرح کیا حضرت ابوبکرؓ نے، حضرت عمرؓ نے اور حضرت عثمانؓ نے

بے شک یہ بڑے امام اور اسلام کے قائدین گزرے ہیں ان کی پیروی

ان کے اپنے عہد میں ہوتی رہی اور ان کے بعد بھی ہوتی رہے گی۔

اس میں یہ لفظ فی عصرھم وبعدھم قابلِ غور ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ان کی یہ پیروی اور اقتدار حاکم سلطنت اسلامی کی جہت سے نہیں، حکومت کا تعلق صرف اپنے دور سے ہوتا ہے ان ائمہ اعلام کی یہ پیروی اصحاب رسولؐ ہونے کی حیثیت سے ہے اور تابعین کے لیے شریعت کا تسلسل صحابہؓ کی پیروی میں ہے۔

یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ ایک اور انصاری صحابی جسے حضورؐ نے جنتی فرمایا، محض اس بشارت پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان کی اقتدار کے خواہاں ہوئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ اعلام کی اقتدار اور پیروی تسلسل شریعت کا نشان سمجھی جاتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس انصاری صحابیؓ کو کہتے ہیں:-

فاردت ان اٰوی الیک لانظر ماعملک؟ فاقتدی بہ[2]

ترجمہ۔ میں نے ارادہ کیا کہ تیرے پاس آ کر ٹھہروں اور دیکھوں تیرا ایسا عمل کونسا ہے سو میں بھی اس کی پیروی کروں۔

یہ اپنے سے بزرگ تر امتی کی پیروی کیا ہے؟ یہی تو تقلید ہے ___ ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو کسی حدیث کی تلاش نہ تھی۔ آپ اس انصاری صحابیؓ اللہ تعالیٰ

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ [2] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ عن انسؓ

کا مقبول بندہ سمجھ کر اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی تقلید یہ وہی جذبہ ہے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

واتبع سبیل من اناب الیّ. (پ۲۱ لقمان آیت ۱۵)

ترجمہ۔ اور تو اس کے پیچھے چل جو میری طرف رجوع لائے۔

اس آیت میں یہ تخصیص نہیں کہ صرف انبیاء کی پیروی کرو جو بھی اللہ کے حضور جھکا ہوا ہو، اس کی تقلید کی جا سکتی ہے

مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اقتداء کا لفظ استعمال کیا ہے مقلدین اسے ہی تقلید کہتے ہیں ہم اس مقام پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اپنے اکابر کی پیروی جاری تھی اور وہ دلیل کی بحث میں گئے بغیر اکابر کے اعتماد پر ان کے اقوال پر ہی مدد کرتے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس جذبہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بھی اثر تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من نظر فی دینہ الی من ھو فوقہ فاقتدی بہ ونظر فی دنیاہ الی من ھو دونہ فحمد اللہ۔[۱]

ترجمہ۔ جس نے اپنے دین میں اپنے سے بڑے کی طرف نظر کی اور اس کی پیروی کی اور دنیوی امور میں اپنے سے چھوٹے کی طرف دیکھا۔ پس اس نے اللہ کا شکر کیا۔

کیا یہاں نیک لوگوں کی اقتداء کی ترغیب نہیں؟ اسلام میں اگر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت ہو اور امتی کی پیروی تقلیداً نہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ائمہ دین کی اقتداء کی ترغیب نہ دیتے۔

صحابہؓ کی مقتداء حیثیت لوگوں میں مسلم تھی۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا۔ اس میں

---

[۱] ونحوہ فی صحیح مسلم جلد ۲ ص۴۱۰

آپ نے فرمایا تھا:۔

من اراد ان یسأل عن الفرائض فلیأت زید بن ثابت ومن اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذ بن جبل۔[1]

ترجمہ۔ جس شخص کو وراثت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ (کوئی مجتہد فیہ مسئلہ) پوچھنا ہو، وہ حضرت معاذؓ کے پاس آئے۔

اس روایت سے جہاں یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ماحول میں سب لوگ عالم نہ ہوتے تھے کہ مسائل کو خود جانتے ہوں۔ یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ وہ علم کے مختلف دائروں میں ماہرین فن کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کو اپنے لیے حجت اور دلیل سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ تم ان سے (حضرت زیدؓ سے یا حضرت معاذؓ سے) احادیث پوچھنا ــــ بغیر دلیل پوچھے اعتماداً ان کی بات لینا کہ یہ کتاب و سنت کے مطابق ہی ہوگی یہی تو تقلید ہے ــــ اگر ان حضرات سے صرف احادیث ہی معلوم کرنی ہوتیں تو حضرت عمرؓ انہیں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذؓ کی طرف بھیجنے کی بجائے سیدھے حضرت ابوہریرہؓ یا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس بھیجتے۔ ان سے زیادہ حدیث روایت کرنے والا اور کون تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ (۱۱۰ھ) جلیل القدر تابعی ہیں اور فن تعبیر کے امام ہیں۔ آپ سے مسئلہ پوچھا گیا غسل کے لیے حمام میں داخل ہونا کیسا ہے؟

فقال کان عمر بن الخطابؓ یکرھه۔[2]

ترجمہ۔ آپ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

کسی چیز کو مکروہ قرار دینا ایک حکم شرعی ہے۔ امام ابن سیرینؒ کے پاس اس کے لیے حضورؐ کی کوئی حدیث موجود نہ تھی۔ آپ نے اس میں حضرت عمرؓ کے فیصلے پر اعتماد کیا اور آپ

---

[1] المطالب العالیہ جلد۱ ص۵۵

سے پوچھنے والے نے بھی آپ سے اس پر حدیث طلب نہ کی بلکہ اعتماداً اس فیصلے کو قبول کرلیا ــــ معلوم ہوا اس دور میں صحابہ کی تقلید عام جاری تھی اور دلیل کی بحث میں پڑنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں تھا۔ آپ یہ حدیث پہلے پڑھ آئے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہؓ سے مسئلہ پوچھا گیا ایک شخص کا کسی پر کوئی میعادی قرض تھا۔ صاحب قرض کو ضرورت پڑی۔ وہ اس میں سے کچھ چھوڑنے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے وقتِ موعود سے پہلے وہ قرض واپس کردے حضرت امام مالکؒ نقل فرماتے ہیں :۔

فکرہ ذٰلک عبداللہ بن عمر ونھی عنہ[1]

ترجمہ :حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے منع کیا

دیکھئے مسائل یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کی دلیل نہیں مانگ رہا نہیں مجتہد اور فقیہ سمجھتے ہوئے ان کے فتوے پر عمل کرے گا یہی تقلید ہے۔

صحابہ کرامؓ کے فیصلے جو علمی تقدس رکھتے ہیں وہ اپنی جگہ ہے۔ اگلے آنے والے لوگ تو ان کے اعمال کو بھی اپنے لیے سند بناتے تھے۔

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ جب مسجد میں نماز پڑھتے تو اسے مختصر کرتے اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو لمبی نماز پڑھتے۔ آپ کے بیٹے حضرت مصعبؒ نے آپ سے اس فرق کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا :۔

یا بنی انا ائمۃ یقتدی بنا[2]

ترجمہ: بیٹا ہم (اصحاب رسول) ائمہ ہیں لوگ ہماری اقتدا کرتے ہیں۔

یعنی لوگ یہ نہ سمجھیں کہ نماز لمبی پڑھنی چاہیئے اس لیے میں ان کے سامنے نماز ہلکی پڑھتا ہوں۔

---

[1] موطا امام مالک صفحہ ۲۷۹ [2] رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲

حضرت مصعبؒ نے اپنے والد سے اس فرق کی دلیل نہیں پوچھی۔ نہ یہ کہا کہ لوگوں کے ذمہ دلیل کی تحقیق ہے۔ اگر وہ آپ کو دیکھ لمبی نماز شروع کر دیں گے وہ خود گنہگار ہوں گے کہ انہوں نے آپ کی تقلید کیوں کی ــــ آپ کیوں فکر مند ہیں کہ امت غلط سمت پہ نہ جا نکلے۔ اصل چیز دلیل ہے کسی بزرگ کی پیروی نہیں۔

(۲) حضرت طلحہؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ نے ایک دفعہ احرام میں رنگ دار کپڑا اوڑھا۔ وہ گیروے رنگ کا تھا اس میں خوشبو نہ تھی۔ عام آدمی اس میں مغالطے میں پڑ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو احرام میں رنگ دار کپڑا پہننے سے منع کر دیا اور فرمایا :-

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس فلوان رجلاً جاھلاً رای ھذا الثوب یقال ان طلحۃ بن عبید اللہ قد کان یلبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔[۱]

ترجمہ۔ اے قافلہ والو! (اصحابِ رسول) تم امام ہو لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں ناواقف آدمی جب اس کپڑے کو دیکھے گا تو وہ لوگوں کو کہے گا کہ حضرت طلحہؓ رنگدار کپڑے میں بھی احرام باندھ لیتے تھے۔

اندیشہ ہے کہ وہ احرام میں خوشبو والے رنگدار کپڑے اوڑھنا شروع کر دیں۔ اس لیے ان کے سامنے اس احتمال کو باقی نہ رہنے دینا چاہیئے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ خود مجتہد تھے اور آنحضرتؐ نے ان کے پیچھے ایک دفعہ نماز بھی پڑھی۔ آپ نے ایک دفعہ

حضرت عمرؓ نے آپ کو اس سے منع فرمایا کہ اپنی مقتدار حیثیت کو پہچانیئے۔ لوگ اس میں آپ کی اقتدار کریں گے تو آپ ان کے لیے کیوں گنجائش پیدا کرتے ہیں ــــ اور فرمایا :-

عزمت علیک الانزعتھما فانی اخاف ان ینظر الناس الیک فیقدون بک۔[۲]

---

[۱] موطا امام مالک صہ ۱۳۲ [۲] مسند امام احمد جلد ا صہ ۱۹۲

ترجمہ: میں نے تمہارے خلاف عزم کر لیا ہے مگر یہ کہ تم انہیں (ان موزوں کو) اتار دو. مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں دیکھیں گے اور تمہاری (اس میں) اتباع کریں گے۔

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین میں صحابہ کی متقدار حیثیت مسلم تھی. یہ لوگ دین اپنے سے اوپر والوں کے قول و عمل سے لیتے تھے جس بات پر صحابہؓ کو دیکھتے اس میں انہیں علمی تقدس نظر آتا اور وہ ان کی پیروی کرتے. دین کا علم و عمل امت میں اسی طرح طبقہ بہ طبقہ اعتماد سے پہنچا۔

(۴) قرأت خلف الامام کا مسئلہ اہل علم میں مختلف فیہ چلا آ رہا ہے. حضرت زید بن ثابتؓ صریح لفظوں میں اس کی نفی کرتے تھے ۔

لا قرأۃ مع الامام فی شیء[1]

ترجمہ: امام کے ساتھ کسی حصہ میں قرأت نہیں پڑھنا (نہ فاتحہ نہ مازاد علی الفاتحہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے. مدینہ کے فقہاء سبعہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ سے کون واقف نہیں. وہ بھی امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھتے تھے۔

لیکن آپ (قاسم بن محمدؒ) محض اس لیے کہ بعض صحابہ جی میں امام کے پیچھے پڑھنے کے قائل تھے. فرماتے ہیں کہ آپ دونوں طرح عمل کر سکتے ہیں کیوں کہ دونوں طرف متقدار درجے کے لوگ موجود ہیں. ان کی تقلید میں کوئی پڑھ بھی لے تو ان شاءاللہ اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا. اجتہادی مسائل میں خطا ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا لیکن یہ تبھی ہے کہ وہ کسی مجتہد کی پیروی میں ایسا کرے.

حضرت ابن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں :-

کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام قال فسألت القاسم بن محمد عن ذٰلك فقال ان ترکت فقد ترکه ناس یقتدی بھم وان قرأت فقد قرأہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

ناس یقتدی ـــــ بھم وکان القاسم ممن لا یقرأ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے (سالمؒ کہتے ہیں) میں نے قاسم بن محمدؒ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا اگر تم نہ پڑھو۔ تو بے شک وہ لوگ (صحابہ) نہ پڑھتے تھے جن کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور اگر تم پڑھو بھی تو پڑھنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جن کی امت میں تقلید چلی اور قاسم بن محمدؒ نہ پڑھنے والوں کے ساتھ تھے۔

اس سے پتہ چلا اجتہادی مسائل میں عمل تقلیدی ہونا چاہیئے۔ ان میں انسان مجتہدین کی پیروی کرے۔ جن کی امت میں اقتداء جاری ہوئی وہ امام کہلاتے ہیں۔

⑤ حضرت امام حسنؓ سے کسی نے پوچھا۔ آپ مسجد کے اس سقاوہ سے پانی پیتے ہیں اور یہ تو صدقہ ہے اور صدقہ بنو ہاشم پر حرام ہے۔ آپ نے جواب دیا۔

قال الحسن قد شرب ابو بکر وعمر من سقایۃ ام سعد فمہ۔[2]

ترجمہ۔ حضرت حسنؓ نے کہا۔ میں نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس کنویں سے جو حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے لگوایا تھا پانی پیتے دیکھا ہے تو اب اگر میں پیوں تو اس میں کیا ہے۔

صدقہ جس طرح بنو ہاشم کے لیے جائز نہیں امیر المومنینؓ کے لیے بھی تو جائز نہیں ـــــــ دیکھیئے حضرت امام حسنؓ نے کس طرح عملِ شیخین کی تقلید کی ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کی دلیل پوچھے بغیر ان کے عمل کو اپنے لیے سند سمجھا۔

کنواں تو صدقہ ہوتا ہے لیکن پانی کا صدقہ ہونا چہ معنی دارد؟ پانی کی تو کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اس سے نفع لینے میں سب برابر ہیں۔

---

[1] موطا امام محمد ص ۹۶ [2] کنز العمال جلد ۳ ص ۳۱۸

صحابہؓ کے بعد اکابر امّت کی تدریجاً پیروی

فقہائے کرام کے فیصلے تو اپنی جگہ رہے. امت کو تو ان کے اعمال اور مختارات بھی اپنے لیے سند سمجھتی آئی ہے. صحابہؓ میں اگر اکابر کی تقلید جاری نہ ہوتی. تو امت میں اکابر کی پیروی کی راہ نہ بنتی.

دوسری صدی میں جن حضرات کی تقلید جاری ہوئی

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ میں بڑے بڑے جبال علم اُٹھے. حضرت سعید بن المسیّبؒ، حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت قاسم بن محمدؒ. حضرت سالم بن عبد اللہؒ، ابراہیم نخعیؒ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ اور ان جیسے اور کئی تابعین کبار تھے جو اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے تھے لوگوں کو دین کی راہ بتاتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے. بلکہ ان کے شاگردوں میں بھی وہ ائمہ کبار ہوئے کہ لوگوں کا ان کے فتووں کی طرف رجوع ہوا. اور ان کی پیروی اُن کے عین حیات ہونے لگی.

دوسری صدی کے چند مقلدین کے نام

① — قاضی اسماعیل الکندیؒ (۱۶۴ھ) قاضی مصر امام ابوحنیفہ رحؒ کے طریقہ پہ تھے. (الجواہر المضیئہ جلد ا صد ۱۶)

② — لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) مفتی اعظم مصر یہ بھی حنفی المذہب تھے. (اتحاف النبلاء صد ۲۳۷)

(۴) — امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

کان یفتی بقول ابی حنیفة۔ (تذکرة الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص۲۸۲) یہ امام ابوحنیفہؒ کے حدیث میں بھی شاگرد تھے۔ کان قد سمع ابی حنیفة حدیثاً کثیراً۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکی جلد ۲ ص۱۴۹)

(۵) — امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

یفتی بقول ابی حنیفة۔ (تذکرہ جلد ۱ ص۲۸۲ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۴۵۰)

(۶) — امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ)

کان یذھب الی قول مالك۔ (الدیباج المذہب ص۱۴۶)

(۷) — امام عبدالغفار بن داؤد الحرانیؒ (۲۰۴ھ)

امام ابوحنیفہؒ کے پیرو تھے۔ (دیکھئے تہذیب جلد ۶ ص۳۶۶)

(۸) — امام محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ (۲۰۸ھ)

احد فقھاء مصر من اصحاب مالك۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۱۶) مالکی مذہب میں سخت متشدد تھے حنفیوں اور شافعیوں کے خلاف کتابیں لکھیں (الدیباج المذہب ص۲۳۲)

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کا دور دوسری صدی کے آخر کا ہے۔ آپ جب مصر گئے تو وہاں کے لوگوں کو زیادہ مالکی مذہب پر پایا۔ وہ لوگ امام شافعیؒ کی جلالت قدر سے زیادہ متاثر ہوئے اور انہوں نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر میں تقلید پہنچ چکی تھی۔ وہاں حنفی مفتی بھی رہے۔ پھر مالکیہ نے زور پکڑا اور جب وہاں حضرت امام شافعیؒ آئے تو وہ شافعی مذہب پر آ گئے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اھل مصر کانوا مالکیة فلما قدم الشافعی مصر تحولوا الشافعیة۔[1]

ترجمہ: مصر کے لوگ پہلے مالکی طریقہ پر تھے جب وہاں امام شافعی گئے تو وہ آپ کے مذہب پر آ گئے۔

---

[1] الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص۴۵

اگر چوتھی صدی سے پہلے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید نہ چلی تھی۔ تو امام شافعیؒ کے آنے پر مصر میں یہ تبدیلی کس طرح واقع ہوئی۔

امام ابن شریحؒ کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ نے دوسری صدی کے مجدد جانتے تھے۔ آپ نے قواعد تقلید ترتیب دیئے ـــــ یہ کس لیے ؟ تاکہ تقلید کوئی غلط راہ اختیار نہ کر جائے۔ تاہم اتنا تو معلوم ہوا کہ تقلید ان دنوں رائج تھی اور یہ کوئی ایسا عمل نہ تھا جس میں کتاب و سنت کی رو سے کوئی قباحت ہو۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ الانصاف کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

نشأ ابن شریح فاسس قواعد التقلید[1]

ترجمہ : ابن شریحؒ نے ہوش سنبھالا اور قواعدِ تقلید کی بنیادیں قائم کیں۔

تیسری صدی کے چند مقلدین کے نام

(۱)ـــ امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۲ھ)

جرح و تعدیل کے امام ہیں علم حدیث میں مرجع خلائق تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے اور فقہ حنفی کا اعتبار کرتے تھے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص۳۴۷)

(۲)ـــ امام عبدالملک بن حبیبؒ (۲۳۹ھ)

مالکی مذہب کے پیرو تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۱۰۴)

(۳)ـــ اسماعیل قاضیؒ (۲۸۲ھ)

شیخ المالکیۃ بالعراق۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۸۱)

(۴)ـــ خلیفہ جعفر بن معتصم عباسیؒ (۲۴۲ھ)

امام شافعیؒ کا مقلد تھا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۲۵۹)

---

[1] الجنۃ ص۳۹

۵- امام عبدالغفار بن داؤد الحرانیؒ (۲۴۰ھ)

حنفی مسلک پر تھے۔ (دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۳۶۶)

۶- امام ابوبکر احمد بن محمد الاثرم (۲۶۰ھ)

صاحب الامام احمد۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۳۵)

۷- امام میمونی ابوالحسن عبدالملکؒ (۲۷۴ھ)

کان من کبار اصحاب احمد۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۶۲)

۸- امام ابوبکر بن احمد بن محمد المروزیؒ (۲۷۵ھ)

من اجل اصحاب احمد بن حنبل۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۱۸۵)

۹- ابوعبداللہ محمد بن ابراہیمؒ البوشنجی (۲۹۰ھ)

امام ابوبکر بن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) ان کی رکاب تھامے ہوئے چلتے تھے۔

من کبار الشافعیۃ۔ (تہذیب جلد ۹ ص۱۰)

۱۰- امام محمد بن نصرؒ (۲۹۱ھ)

اھل بیتہ حنفیون۔ (تذکرہ جلد ۲ ص۲۲۰)

حدیث میں حافظ تھے مگر مسلکاً حنفی تھے۔

۱۱- امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

خطیب تبریزیؒ صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں۔ وکان شافعی المذھب۔ (الاکمال ص۶۲۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ اربعہ کی تقلید عام ہو چکی تھی۔ ہاں یہ صورتِ حال کہ کوئی شخص تقلید معین سے باہر نہ رہے۔ یہ چوتھی صدی میں دیکھی گئی۔ دوسری اور تیسری صدیوں میں یقیناً کچھ لوگ غیر معین تقلید پر رہے ہیں۔

اسلام کی پہلی تین صدیوں کا عمل

حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)، سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) پہلی دو صدیوں کے امام مجتہد ہیں۔ دوسری صدی کے آخر میں امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور تیسری صدی کے وسط میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کے مکاتب فکر قائم ہوئے ـــــ ان تین صدیوں میں ان جبالِ علم کی غیر معین تقلید کو ناجائز نہ کہا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذلك باطلا لانکروه۔[1]

ترجمہ۔ لوگ صحابہؓ کے زمانے سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک جس عالم کی بات لینے کا بھی اتفاق ہو جائے برابر تقلید کرتے رہے ہیں بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسرے پر نکیر کریں۔ اگر تقلید کرنا کوئی غلط کام ہوتا تو وہ اسی دور میں اس کا انکار کر دیتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید تو بے شک عہد صحابہؓ سے چلی آرہی ہے اور اسے ہم بدعت نہیں کہتے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید تو عہد صحابہؓ میں نہ تھی یہ کیوں بدعت نہ ہوگی؟

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آج ہم جن اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا صحابہؓ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی؟ اگر نہیں تو چاہیئے کہ آج کل جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور عہد صحابہؓ کے بعد کے کسی شخص کو امام بنانا یہ بھی بدعت ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی جاہل بھی نہ کہے گا ـــــ نماز با جماعت پڑھنے

[1] عقد الجید صـ ۳۳

کا مسئلہ جب شریعت سے ثابت ہے تو ان (اس عہد کے اماموں) کے پیچھے نماز کیوں نا جائز ہو گی
—— اسی طرح تقلید کا مسئلہ (کہ اعتماداً کسی کی بات مان لی جائے اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کیا
جائے) جب عہد صحابہؓ سے ثابت ہے تو پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کیوں نا جائز
ہو گی. شریعت تو صرف اصول بتلاتی ہے. ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہر دور میں لوگ چننے پڑتے
ہیں اور جن لوگوں کو پوری امت میں قبولیت حاصل ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا سر تکوینی سمجھنا
چاہیئے. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالىٰ العلماء وجمعهم
من حيث يشعرون او لا يشعرون[1]

ترجمہ. حاصل اینکہ ان مجتہدین کے مذہب کا پابند ہونا ایک سر الٰہی ہے جو اللہ
تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں اُتارا ہے اور اس پر سب کو جمع کر دیا ہے وہ
سمجھیں یا نہ سمجھیں.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور تک سب علماء، تقلید پر متفق تھے.
اس وقت کوئی معروف غیر مقلد صفحہ زمین پر نہ تھا.

ائمہ اربعہ کی امامت پہ کوئی نص نہ تھی. لیکن اسے کیا کہیں کہ اور ائمہ کے مقلد آہستہ آہستہ
ناپید ہوتے گئے اور ان چار فقہوں کے سوا اور کوئی ضابطہ عمل نہ رہا جس پہ امت چل سکے. اسے
سر الٰہی اور رازِ تکوینی نہ کہا جائے تو اور کیا کیا جائے. اس کے لیے اگر کوئی لفظ مصطلحات شرعیہ
میں موجود ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کو ضرور پا لیتے.

علامہ ابن خلدون مغربیؒ (۸۰۸ھ) کے علم و فضل اور فہم و فراست سے کون واقف نہیں
آپ امتِ محمدی کی استقامت علی التقلید کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں. محدث تیمویؒ (۱۳۲۲ھ) نے
او شحہ الجید میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

---

[1] الانصاف ص۹۷

دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہو گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ا ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کُود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں نہ ان کا دین اور ان کی رائے قابلِ وثوق ہے. لہٰذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنے عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دُشوار ہونے کی تصریح فرما دی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے ہدایت اور راہنمائی کرنے لگے.

اور چونکہ تداولِ تقلید میں تلاعب ہے یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کریں دین کھلونا بن جاتا ہے اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصول و اتصالِ سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا. — اور فقہ سے آج بجز اس امر کے اور کچھ مطلب نہیں ہے اور فی زمانہ مدعی اجتہاد و مردود اور اس کی تقلید مہجور او رمتروک ہے اور اہلِ اسلام ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہو گئے ہیں[1]

یہاں جس مدعی اجتہاد کو مردود کہا گیا ہے اس سے مراد مدعی اجتہاد مطلق ہے. ائمہ اربعہ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن و حدیث سے نئے مسائل کا استنباط و استخراج یہ اجتہاد مطلق نہیں ہے. یہ اجتہاد فی المسائل ہے. ان میں اجتہاد کرنے والا اپنے امام کے اصولِ اجتہاد کے تحت چلتا

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون بحوالہ ارشحۃ الجید للمحدث النیمویؒ صد ۸۹

ہے۔ گو وہ اپنے استنباط و استخراج میں اپنے امام سے کہیں مختلف کیوں نہ جا نکلے جیسے امام طحاویؒ۔ جو مجتہد مطلق نہیں صرف مجتہد فی المسائل ہیں۔

دو اہم قابلِ غور نکتے

جدید تعلیم یافتہ لوگ جنہوں نے کتاب و سنّت کی تعلیم صاحبِ فن اساتذہ سے نہیں صرف رسالوں اور اخباروں سے حاصل کی ہے۔ وہ اجتہاد کے ان مختلف مراتب کو سمجھتے نہیں۔ صرف اجتہاد کا لفظ انہوں نے سُن رکھا ہے اور اسے وہ محض تیسرے اسلامی ماخذ علم کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ جب ابن خلدون کی یہ بات پڑھتے ہیں کہ علماء متاخرین نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا تو وہ تھرّا اُٹھتے ہیں کہ یہ بات قومی سطح پر بالکل خلاف فطرت ہے۔ جب ضروراتِ زمانہ پھیلتی جارہی ہیں تو اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہو تو ان حالات میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل کیا ہوگا ہم کہتے ہیں اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند ہے۔ اجتہاد فی المسائل کی راہ بے شک کھُلی ہے۔ اصولِ اجتہاد ائمہ اربعہ کے بعد اور وضع نہ کیے جائیں گے۔ ان کے دائرہ اصول میں رہ کر نئے اٹھنے والے مسائل آج بھی اجتہاداً طے کیے جا سکتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پُرانے مسائل میں بھی نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے۔ ان مسائل میں اجتہاد چار فقہوں کی وسعت کے ساتھ موجود ہے۔ ان میں کوئی نئی راہ نکالنا پچھلی کئی صدیوں کی امت کے خلاف عدمِ اعتماد کی قرارداد ہوگی۔ اس لیے نئے اجتہاد کو نئے پیش آمدہ مسائل تک محدود رکھنا ہوگا۔ تاکہ اپنی علمی تاریخ قائم رہے۔ اور امت کے خلاف عدمِ اعتماد نہ ہو۔

دوسرا نکتہ محض ایک وسوسہ ہے جو بعض ذہنوں میں کھٹکتا ہے کہ مجتہد مطلق وہ امام ابوحنیفہؒ ہوں یا امام مالکؒ، ہیں تو آخر مجتہد ہی اور مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور کبھی مخطی بھی۔ تو گو وہ ایک اجر سے کسی صورت میں بھی نہیں نکلتا۔ اور اس کی پیروی سے کوئی امتی زیر بار خطا نہیں ہوتا۔ تاہم مقلدین کے لیے اس کی ہر ہر بات میں پیروی نہیں۔ اسے مقام رسالت کے قریب تو لا کھڑا

نہیں کرتی؟ یہ وہ سوال ہے جو کئی ذہنوں میں کھٹکتا ہے۔

الجواب

فقہ حنفی کے پیرؤوں کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے شروع سے اس گمان سے نکال رکھا ہے۔ امام صاحبؒ کے ایک ایک مسئلے پر ان حضرات نے تنقیدی نظر کی ہے۔ ان حضرات نے اور دوسرے ائمہ سے بھی ملاقات کی ہے اور ان سے اختلافی مسائل سُنے ہیں اور ان پر مزید غور کیا ہے۔ یہ حنفی صرف اس معنی میں ہیں کہ یہ اپنے امام کے اصولِ اجتہاد سے باہر نہیں نکلتے کتاب و سنّت سے استخراج و استنباط کے سلسلے میں یہ پورے مجتہد ہیں۔ حضرت امام سے کبھی اتفاق کرتے اور کبھی اختلاف بھی یہ حضرات مجتہد فی المذہب ہیں۔ پھر ان تینوں سے جو مسائل رہ گئے ہوں انہیں امام طحاویؒ جیسے حضرات حل کرتے ہیں۔ یہ اجتہاد فی المسائل ہے۔ پھر آگے ائمہ ثلٰثہ کے استنباط کردہ مسائل پر نئے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ امام کرخیؒ اس دائرہ میں بہت وسیع گئے ہیں۔ پھر آگے ائمہ ترجیح آتے ہیں جیسے صاحبِ ہدایہ۔

سو جس شخص کی فقہ حنفی پر پوری نظر ہو گی اس کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ پیدا نہ ہو گا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید نے مقلدین کی نظر میں انہیں مقام رسالت کے قریب لا کھڑا کیا ہے۔ فقہ کے اس تاریخی پس منظر میں اس کا وہم تک کسی ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ فقہ حنفی میں ائمہ کے مختلف اقوال اور ان کی مختلف تخریجات ملتی ہیں۔ عمل صرف مفتیٰ بہ اقوال پر ملتا ہے۔ دوسرے اقوال صرف بصیرت پیدا کرنے کے لیے زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔

ان سب ائمہ کے حنفی ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اصول اجتہاد میں حضرت امام کے اصولوں پر چلے ہیں۔ باقی رہا پیروی کا مسئلہ تو فقہ حنفی میں لائق عمل صرف مفتیٰ امور کو ٹھہرایا جاتا ہے نہ کہ حضرت امام کو ذاتاً مفترض الطاعۃ جانا جاتا ہے۔

سو مسائل مفتیٰ بہ کی رو سے فقہ حنفی میں ایک اور خاص مذہب نکل آیا ہے۔ پیروی اس کی

کی جاتی ہے نہ کہ صرف حضرت امام کے فیصلوں کی ـــــ اس صورتِ عمل نے فقہ حنفی کو کتاب وسنّت کے بہت قریب کر دیا ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی کی پیروی کتاب وسنّت کی پیروی کا ہی ایک دوسرا نام ہے۔

جو عالم مل جائے اس کی تقلید کر لی جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان علماء کی تقلید کی جائے جو اپنے علم و تقوےٰ اور تعفف میں مرکزی شہرت رکھتے ہوں۔ سو اس بھلائی کی تلاش میں لوگ تیسری صدی میں اہل علم پر جمع ہونے لگے اور بہت کم رہ گئے جو کسی امام فن مجتہد پر جمع نہ ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

بعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین اعیانهم وقل من کان لا یعتمد علیٰ مذهب مجتهد بعینه وکان هو الواجب فی ذٰلك الزمان[1]

ترجمہ۔ مسلمانوں میں دو صدیاں بعد معین مجتہدین سے انسلاک شروع ہو گیا تھا اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی خاص مجتہد پر اعتماد نہ کرنے والے تھے اور یہ اعتماد اس دور میں واجب کے درجے میں سمجھا جاتا تھا۔

تیسری صدی کے بعد مجتہدین کی پیروی میں یہ مذاہب معین طور پر قائم ہو گئے اور یہ اسی نظام کی تکمیل تھی جو عہدِ صحابہؓ سے شروع ہوا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علیٰ تقلید الخاص لمذهب واحد بعینه[2]

ترجمہ۔ جان لو لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک خاص امام کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

اس عبارت کو اگر شاہ صاحبؒ کی پہلی عبارتوں کی روشنی میں سمجھا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں تقلید معین موجود تھی لیکن ابھی سب لوگ کسی امام کی تقلید پر جمع نہ تھے۔ ائمہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲ ج ۱

بھی تھے اور ان کے مقلدین بھی ـــــ تقلید ان صدیوں میں موجود تھی لیکن لوگ باضابطہ طور پر کسی ایک امام کی تقلید پر جمع نہ تھے کچھ مطلق تقلید پر عمل پیرا تھے۔ تیسری صدی میں لوگ معین تقلید پر جمع ہو گئے اور بہت کم رہ گئے جو تقلید مطلق پر ہوں۔ البتہ چوتھی صدی میں سب لوگ ائمہ مجتہدین کے مذاہب پر آگئے اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہا یہاں تک کہ کوئی بھی تقلید کا تارک نہ تھا اور اہل السنۃ والجماعۃ انہی کا نام ہو کر رہ گیا جو ان مجتہدین کے پیرو تھے۔

امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی تقلید چلتی رہی اور سب مسلمان ان ائمہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد رہے۔ یہاں تک کہ بعض مذاہب مندرس ہوتے گئے اور صرف چار مذاہب باقی رہ گئے۔ اس وقت یہی مقلدین مذاہب اربعہ امتِ محمدیہ کا سوادِ اعظم تھے اور اس تقلید سے باہر آنا سوادِ اعظم سے خروج سمجھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجًا عن السواد الاعظم۔[1]

ترجمہ: جب تمام مذاہب حقہ ان چار کے سوا ناپید ہو گئے تو اب چار کی پیروی ہی سوادِ اعظم کی پیروی رہی اور ان سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنا ٹھہرا۔

تمام مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا

ہمارے کرم فرما یہ تو مان لیتے ہیں کہ عامی عالم پر اعتماد کر کے اس کا فتوےٰ مان لے اور اس پر عمل کرے لیکن یہاں وہ دو نکتے اٹھاتے ہیں:۔

① صاحبِ علم گو وہ دوسرے سے درجے میں کم ہو دوسرے کی بات پر اعتماداً عمل نہ کرے

[1] عقد الجید ص۳۸

اس سے دلیل پوچھے۔

(۲) تمام مسائل پیش آمدہ میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ صرف نبی کی شان ہے کہ ہر مسئلے میں اس کی طرف رجوع ہو۔

ہم ان دونوں باتوں سے اتفاق نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں۔ بایں ہمہ شان علم آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں اور ان کے فیصلے کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف رجوع نہیں کرتے۔ سب باتوں میں انہی کی طرف رجوع چاہتے ہیں

طبقات ابن سعد میں سند صحیح سے مروی ہے:۔

عن ابن عباس قال اذا حدثنا ثقة عن علی لم نتجاوزھا۔[1]

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی ثقہ شخص ہمیں یہ بتادے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی ہے تو ہم کسی اور طرف نہ دیکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالتِ علمی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کی پیروی کو بحث میں جائے بغیر کس طرح اپنے لیے سند سمجھتے تھے ——— فرماتے ہیں:۔

لو ان الناس سلکوا وادیًا و شعبًا و سلک عمر وادیًا و شعبا سلکت وادی عمر و شعبہ لو قنت عمر قنت عبد اللہ۔[2]

ترجمہ۔ لوگ اگر ایک وادی اور راہ پر چل پڑیں اور حضرت عمرؓ کسی دوسری راہ پر چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا جس پر حضرت عمرؓ چل رہے ہوں۔ وہ فجر میں قنوت کریں گے تو میں بھی قنوت پڑھوں گا۔

حضرت ابو موسےٰ الاشعریؓ کی عبقری شخصیت کس سے ڈھکی چھپی ہے۔ آپ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اسے بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ اس نے بتائی) اس نے پھر وہی مسئلہ

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۰ [2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا. آپ نے اسے وہ اور طرح بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ انہوں نے بتائی) اس نے ان کا جواب پھر آکر حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کو بتایا تو آپ نے فرمایا :۔

لا تسئلونی ما دام ھٰذا الحبر فیکم.[1]

ترجمہ. مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ اتنا بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

سب مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کبھی اس کی تلقین نہ فرماتے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ وہ مسئلہ اجتہادی ہو گا. اگر اس پر کوئی کتاب وسنت کی نص موجود ہوتی تو دونوں صحابیوں میں کوئی اختلاف نہ تھا معلوم ہوا اجتہادی مسائل میں لوگوں کا ایک بڑے عالم کی طرف رجوع کرنا اور دلیل طلبی میں نہ پڑنا صحابہ کی نظر میں ہرگز کوئی امر مذموم نہ تھا. تقلید کی حقیقت اگر یہی ہے تو کیا صحابہؓ کے عہد میں یہ موجود نہ تھی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ وہ صحابی ہیں جنہیں مجتہد ہونے کی حضورؐ نے سند بخشی تھی. آپ کے جلیل القدر شاگرد حضرت عمرو بن میمونؒ سے کون واقف نہیں؟ حضرت معاذؓ نے انہیں وصیت کی کہ میری وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں چلے جانا انہی سے علم حاصل کرنا اور انہی کے پاس رہنا.[2]

زندگی بھر ایک ہی عالم کے پاس رہنا اس پر علماً اور اجتہاداً اعتماد کرنا ہے. اسی طرح حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ رہے. عہد صحابہؓ میں بڑے عالموں پر اعتماد کرنا اور ان سے دلیل کی بحث میں نہ پڑنا ہرگز عیب نہیں سمجھا گیا۔

بڑے تو اپنی جگہ رہے چھوٹے بھی علم میں بڑے ہو جائیں تو تمام مسائل میں ان عالموں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے. حضرت انس بن مالکؓ کتنی اونچی علمی شان رکھتے ہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور خادم نو سال رہے. آپ کے سامنے حضرت حسن بصریؒ جوان ہوئے اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۴ [2] الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ صفحہ ۶

مجتہد کے درجہ کو پہنچے۔ اب آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آتا تو آپ فرماتے:۔

سلوا مولانا الحسن۔ ہمارے مولیٰ حسنؒ سے پوچھو۔[1]

معلوم ہوا تمام مسائل میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا ہرگز کوئی امرِ ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا۔ امام فن تعبیر حضرت محمد بن سیرینؒ کو کون نہیں جانتا۔ آپ نے اپنے شاگرد ابو بکر الہذلیؒ کو نصیحت فرمائی:۔

الزم الشعبی فلقد رأیته یستفتی والصحابة متواخرون۔[2]

ترجمہ: شعبیؒ کی پیروی کا التزام کرنا میں نے انہیں اس وقت سے فتوی دیتے دیکھا ہے جب صحابہؓ بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ اکابر علماء کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی۔ ان علماء کے فتوے (گروہ صحابہؓ میں سے نہ ہوں) عام چلتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ اعتماداً کسی عالم کے فتووں پر عمل پیرا ہونا اور اس کے ساتھ دلیل کی بحث میں نہ پڑنا اس دور میں ہرگز عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کی پیروی بھی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے ۱۱۰ھ فتوے دینا شروع کیا اور دینی مسائل میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ آپ ۱۲۰ھ میں اپنے استاد کے جانشین ہوئے۔ صحابی رسول حضرت ابو الطفیل واثلہ بن اسقعؓ (م ھ) کی اسی سال وفات ہوئی۔ اس وقت حضرت امام کی عمر تیس سال کی تھی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ بلکہ امام مالکؒ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہو گئی تھی اور لوگ ان کے فتووں پر عمل کرتے تھے۔ تاہم وہ عہد صحابہؓ کے مجتہدین میں سے نہیں ہیں۔ اس دور کے مجتہد کہلانے کا حق حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۲۸ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۷۶

ابوالدرداءؓ جیسے اکابر کو ہی حاصل ہے۔ دوسرے دور کے مجتہدین میں سرفہرست امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

فقہ کے تیسرے دور میں امام شافعیؒ، امام احمدؒ (۱۷۰ھ) سے (۲۲۰ھ) کے مابین جن ائمہ کے فتوے امت میں جاری رہے اور لوگ ان سے دلیل کی بحث میں گئے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتے رہے۔ یہ تیسرے قرن کے فقہاء ہیں۔ ان کے بعد کوئی مجتہد اس درجے میں نہیں آیا کہ اس کی پیروی امت میں جاری ہوئی ہو۔

اس امت میں ائمہ اربعہ کی پیروی اس لیے خیر و برکت کا سبب سمجھی گئی ہے کہ یہ چاروں امام ان تین زمانوں (قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر) میں اپنے فتووں کی پیروی پا چکے تھے یہ فتوے دیتے رہے اور امت ان سے ان فتووں کی دلیل معلوم کیے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتی رہی۔ جو چیز (تقلید) ان تین زمانوں میں قبولیت عام پا جائے۔ اسے کسی طرح برا نہیں کہا جا سکتا۔ آنحضرتؐ نے ان تین زمانوں کے خیر ہونے کی اس طرح خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[1]

ترجمہ۔ میرے دور کے لوگ (صحابہ کرامؓ) پھر ان کے بعد آنیوالے (تابعینؒ) پھر ان کے بعد آنیوالے (تبع تابعینؒ) یہ تین زمانے بلسان رسالت خیر القرون ہیں تقلید ان زمانوں میں جاری ہوئی۔ اہل علم فتویٰ دیتے تھے اور امت ان پر عمل کرتی تھی۔ لوگوں کو دلیل سے بحث نہ تھی۔ اعتماداً اہل علم کی بات قبول کرلی جاتی تھی۔۔ یہ تقلید کا آغاز ہے جو خیر القرون میں ہوا۔ اگر یہ گمراہی ہوتی تو اس کا آغاز خیر القرون سے نہ ہوتا۔ ان ادوار کے لوگ مجموعی طور پر خیر الناس تھے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا تھا۔ ای الناس خیر سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ بات کہی تھی ـــ تقلید کا آغاز انہی اچھے لوگوں سے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے خیر کا ارادہ کریں انہیں فقہ سے نوازتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۹

تقلید شخصی کی تاریخ

تقلید ایک مسئلے کی حیثیت سے کتاب و سنّت کا موضوع ہے اور تقلید امت میں کب سے چلی یہ تاریخ کا موضوع ہے۔ سب مسئلوں میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا یہ تقلید شخصی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امت کے دورِ اوّل میں صحابہؓ کی پیروی جاری ہوئی اور پھر اکابر صحابہؓ کی پیروی کا التزام بھی رہا۔ ازاں بعد اکابر ائمہ تابعینؒ کی پیروی چلی۔ مگر چونکہ ان کے مذاہب مدّون نہ ہوئے۔ اس لیے ان کی تقلید ان کے ناموں پر آگے نہ چل سکی۔

امام ابوحنیفہؒ اس امت کی پہلی علمی شخصیت ہیں۔ جنہوں نے علمار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر فقہ کی تدوین کی۔ آپ کی وفات (۱۵۰ھ) میں ہوئی۔ آپ کے بڑے بڑے شاگرد آپ کے اصول فقہ کی روشنی میں آگے بڑھے اور ایک فقہ مرتب کر دی۔ سو یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں دوسری صدی میں آپ کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کی تقلید بھی شام میں جاری ہوئی۔ اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی حجاز میں ــــ تاہم یہ تقلید ایک متفرق پیرائے میں تھی۔ سب لوگ کسی معین مذہب میں پابندی سے منسلک نہ تھے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ معین مذاہب میں آتے گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور تیسری صدی میں اُن کی فقہ بھی مدّون ہو گئی۔

سو دوسری صدی کے آخر سے تیسری صدی کے آخر تک یہ وہ دور ہے جس میں ائمہ اربعہ کی معین پیروی آگے چلی۔

دوسری صدی میں فقہ حنفی کی پیروی

عباسی خلیفہ الواثق باللہ نے ۲۲۸ھ میں کچھ لوگوں کو سدِ سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے افغانستان چین بھیجا۔ انہوں نے آکر جو رپورٹ دی اس میں یہ صریح طور پر مذکور ہے۔ کہ

وہ لوگ حنفی مذہب کے پیرو تھے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ لوگ سلطنت عباسیہ سے بالکل بے خبر تھے۔ عباسی حکومت ۱۳۲ھ قائم ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اس سے پہلے سے مشرقِ وسطیٰ سے نکلے ہوئے تھے اور یہ کہ اس وقت مسلمانوں میں فقہ حنفی کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے ریاض المرتاض میں مسالک الممالک کے حوالہ سے لکھا ہے:-

محافظانِ سدِ سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دینِ اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی مے گفتند. اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔[1]

ترجمہ: محافظانِ سدِ سکندری جو اس وقت تھے سب دینِ اسلام پر تھے۔ مذہب ان کا حنفی تھا اور عربی اور فارسی بولتے تھے لیکن سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے۔ (انہیں علم نہ تھا کہ مرکز میں خلافت بدل چکی ہے)۔

امام طحاویؒ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ (۲۶۴ھ) شاگرد امام شافعیؒ کے شاگرد اور بھانجے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں یہ شافعی المذہب تھے اور پھر حنفی ہو گئے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی کے نصف آخر میں ان معین فقہوں کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ اُموی دورِ خلافت میں محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں پہنچا۔ یہاں جب اسلام آیا تو وہ کون سی فقہ کے مطابق تھا؟ یہ خلافت عباسیہ سے پہلے کی بات ہے۔ جس سے اقصائے چین بے خبر تھے۔ — کشمیر کب سے مسلمانوں کی بستی چلا آرہا ہے؟ یہ بات کسی سے مخفی نہیں۔ اہل کشمیر اس دور میں کس فقہ پر تھے۔ اسے تاریخ فرشتہ میں ملاحظہ کریں:

رعایائے آں ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند۔[2]

ترجمہ: اس ملک کی آبادی سب حنفی مذہب کی پابند ہے۔

---

[1] ریاض المرتاض ص بحوالہ ارشحۃ الجید [2] تاریخ فرشتہ ص ۲۳۶

فاتح ہند سلطان محمود غزنوی (ھ) کا نام فقہائے حنفیہ میں بڑی عزت سے لیا جاتا ہے
یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کے قافلے گنگا اور جمنا کے کنارے اتر رہے تھے حضرت علی ہجویری
(۴۶۵ھ) اولیائے ہند میں پہلے بزرگ ہیں جو لاہور میں آئے۔ آپ بھی حنفی مذہب کے پیرو تھے
اور اس دور میں ہندوستان میں حنفی فقہ کی ہی پیروی جاری تھی۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں فقہ حنفی کی پیروی قدیم الایام سے رائج
ہو چکی تھی اور ان میں کچھ وہ زمانہ بھی داخل ہے جس کے خیر ہونے اور گمراہی سے محفوظ ہونے کی
خود لسانِ شریعت نے خبر دی تھی

بغداد میں امام الحرمین (۴۷۸ھ) اور امام غزالی (۵۰۵ھ) شافعی مذہب کے پیرو تھے
یہ ایک معین مذہب کی پیروی تھی۔ امام فخرالدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ایک معین مذہب کے پیرو
تھے اور ایک معین مذہب کی پیروی میں چلنا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

آیئے اب آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں:۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی نے راحت القلوب میں پاکپتن کے شہرہ آفاق بزرگ بابا
فریدالحق کا ایک ارشاد ۱۱ ذوالحجہ ۶۵۵ھ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:۔

ہر چار مذہب برحق ہیں لیکن بالیقین جاننا چاہیئے کہ مذہب امام اعظم کا
سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذاہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابوحنیفہ
افضل المتقدمین ہیں اور الحمدللہ کہ ہم ان کے مذہب پر ہیں[1]

شافعی مذہب کے جلیل القدر فقیہ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

اما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتی اوجبوا تقلید
واحد من هؤلاء ونقل امام الحرمين الاجماع عليه[2]

ترجمہ: اجتہاد مطلق کے متعلق علماء نے کہا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے۔ یہاں

---

[1] حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۴۷ بحوالہ راحت القلوب۔ [2] روضۃ الطالبین ص

تک کہ اب وہ ان مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ٹھہراتے ہیں
اور امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں ایک بھی غیر مقلد نہ تھا اور جو مجتہد نہ ہو اس کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید ہرگز کوئی عیب نہ تھی غیر مجتہد ہر جگہ مجتہدین کی پیروی میں چلتے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) اس اعتراض کے جواب میں کہ لوگوں نے اپنی طرف سے چار مذہب گھڑ لیے ہیں۔ یہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھے۔ اپنی شہرۂ آفاق کتاب منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:-

قولہ ان ھذہ المذاھب لم تکن فی زمن النبیؐ ولا الصحابۃ ان اراد ان الاقوال لم تنقل عن النبیؐ او عن الصحابۃ بان ترکوا قول النبیؐ و الصحابۃ وابتدعوا خلاف ذلک فھذا کذب علیھم لانھم لم یتفقوا علی مخالفۃ الصحابۃ بل ھم وسائر اھل السنۃ متبعون للصحابۃ فی اقوالھم وان قدر ان بعض اھل السنۃ خالف الصحابۃ لعدم علمہ باقاویلھم فالباقون یوافقونھم ویثبتون خطاء من یخالفھم وان اراد ان نفس اصحابھا لم یکونوا فی ذلک الزمان فھو لا محذور فیہ فمن المعلوم ان کل قرن یأتی یکونوا بعد القرن الاول[1]

ترجمہ۔ اس شیعی کا یہ کہنا کہ یہ مذاہب اربعہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے منقول نہیں انہوں نے حضورؐ اور صحابہؓ کی بات چھوڑ دی ہے اور اپنی طرف سے یہ مذاہب گھڑ لیے ہیں تو یہ ان مذاہب پر کھلا جھوٹ ہے کیونکہ وہ ہرگز صحابہؓ کی مخالفت پر متفق نہیں بلکہ وہ سب اپنے اقوال میں صحابہ کے متبعین ہیں اور اگر یہ بات تجویز کی جائے کہ انہوں نے (صحابہؓ کے) اقوال پر اطلاع نہ پانے کے باعث ان کے خلاف کیا تو باقی تو ان کے موافق رہے اور ان پہلوں کی مخالفت کرتے رہے اور اگر اس شیعی معترض کی مراد یہ ہے کہ ان مذاہب کے امام اس دور میں نہ تھے تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہر کسی کو معلوم ہے کہ ہر آنے والا دور پہلے دور کے بعد ہی آتا ہے۔

---

[1] الفتاوی الکبریٰ جلد صـ

تقلید شخصی کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے آپ ان لوگوں پر جرح کرتے ہیں. جو کبھی کسی امام کے پیچھے چلیں اور کبھی کسی کے پیچھے. آپ لکھتے ہیں :-

یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ھذا لا یجوز باتفاق الائمۃ۔[1]

ترجمہ. ایسے لوگ ایک وقت میں تو اس کی بات مانیں گے جو اس نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور پھر دوسرے موقع پر اس کی پیروی کریں گے جو اسے صحیح کہے اور یہ سب اپنی غرض کے لیے ہوگا. ایسا کرنا کہ کبھی تقلید کسی کی اور کبھی کسی کی یہ یا باتفاق ائمہ جائز نہیں ہے.

نویں صدی جلیل القدر محدث حافظ ابن ہمام اسکندریؒ (۸۶۱ھ) اپنی اصول فقہ کی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں :-

وعلی ھذا ما ذکر بعض المتاخرین منع التقلید غیر الاربعۃ لانضباط مذاھبھم وتقلید مسائلھم وتخصیص عمومھا ولم یدر مثلہ فی غیرھم الآن لانقراض اتباعھم وھو صحیح۔[2]

ترجمہ. بعض متاخرین نے جو ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید سے منع کیا ہے اسی پر مبنی ہے. کیونکہ مذاہب انہی چار اماموں کے منضبط ہوئے اور تقلید انہی کے مسائل کی جاری ہوئی اور تخصیص عمومات انہی کے ہاں چلتی رہیں اور یہ باتیں کسی دوسرے امام کے بارے میں معلوم نہیں ہوئیں. کیونکہ ان کے پیرو باقی نہ رہے اور یہی بات صحیح ہے.

اب دسویں صدی میں چلیں. تقلید فقہ معین پر تیسری صدی میں جو اجماع ہوا اس کی صدائے بازگشت یہاں دسویں صدی میں بھی سنیں. امام ابن نجیم مصریؒ (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں :-

---

[1] الفتاوی الکبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ [2] التحریر صفحہ ۵۵۲

وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع[1]

ترجمہ۔ اور جو چیز ائمہ اربعہ کے مخالف ہو وہ اجماعِ امت کا خلاف ہے۔

یعنی ائمہ اربعہ کی پیروی پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اب جو ترکِ تقلید کی راہ پہ چلے یا ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام (جیسے امام اوزاعیؒ سفیان الثوریؒ اور لیث بن سعدؒ وغیرہ) کی پیروی تجویز کرے تو وہ اجماعِ امت کے خلاف چلنے کا مرتکب سمجھا جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ جو مسلمانوں کے طریق کے خلاف چلے اس کا رُخ جہنم کی طرف ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ــــ اربعین نوویؒ کی شرح علامہ ابراہیم سرخسی مالکیؒ نے لکھی ہے۔ اس میں آپ اس وقت کا مالکی نقطۂ نظر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اما فیما بعد ذٰلک کما قال ابن الصلاح ..... فلا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة مالک والی حنیفة والشافعی واحمد لان ھؤلاء عرفت قواعد مذاھبھم واستقرت احکامھا وقدمھا تابعوھم وحرروھا فرعًا فرعًا وحکمًا حکمًا۔[2]

ترجمہ۔ سو اس کے بعد جیسا کہ امام ابن الصلاحؒ نے کہا ہے۔ ائمہ اربعہ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں ان ائمہ کے قواعدِ مذہب معروف ہو چکے ان کے احکام میں استقرار ہوا۔ ان کے پیروؤں نے انہیں سامنے رکھا ہے اور ان کی ایک ایک فرع لکھی ہے اور ان کے ایک ایک حکم کو قلم بند کیا ہے۔

صاحب تفسیر جلالین علامہ جلال الدین محلیؒ شرح جمع الجوامع میں لکھتے ہیں:۔

یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ مرتبة الاجتھاد التزام مذھب معین من مذاھب المجتھدین[3]

---

[1] الاشباہ والنظائر صا۱۳ [2] الفتوحات الوہبیہ شرح اربعین النوویہ ص۱۹۹ [3] شرح جمع الجوامع

ترجمہ: عامی اور دوسرے وہ لوگ جو (علم رکھنے کے باوجود) مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ان پر ان مجتہدین میں سے کسی ایک معین مذہب کا التزام ضروری ہے۔

عبدالوہاب الشعرانی (۹۷۳ھ) میزان الشریعۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں:-

وکان سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ اذا سألہ انسان عن التقلید بمذھب معین الاٰن ھل ھو واجب ام لا یقول لہ یجب علیک التقلید بمذھب ما دمت لم تصل الیٰ شہود عین الشریعۃ الاولیٰ من الوقوع فی الضلال و علیہ عمل الناس الیوم۔[1]

ترجمہ: سیدی حضرت خواص سے جب کوئی شخص اس زمانے میں کسی مذہب معین کی تقلید کے لیے پوچھتا کہ کیا یہ درجہ واجب میں ضروری ہے تو آپ اسے کہتے کہ جب تک تو شریعت اولیٰ کے چشمہ علم کا مقام شہود نہ پالے کہ گمراہی میں گرنے کا موقع نہ رہے۔ اس وقت تک تجھ پر تقلید واجب ہے اور اسی پر آج مسلمانوں کا عمل ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد شیخ احمد ملا جیونؒ (۱۱۳۰ھ) تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:-

قد وقع الاجماع علیٰ ان الاتباع انما یجوز للاربع ..... وکذا لا یجوز الاتباع لمن حدث مجتہدًا مخالفًا لھم۔[2]

ترجمہ: اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اتباع صرف چار مذاہب کی ہے ..... اور اسی طرح اسی کی پیروی جائز نہیں۔ جو کوئی نیا مجتہد ان مذاہب اربعہ کے خلاف اٹھے۔

آیئے اب آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں تاکہ آپ دیکھیں کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی کس طرح مسلسل چلی آرہی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] میزان الشریعۃ الکبریٰ صـ [2] تفسیر احمدی صـ ۳۴۶ زیر سورۃ الانبیاء

خانۂ دین چہار است ہر کہ را بے ازیں راہ ہا و درے ازیں در ہا اختیار نمودہ براہ دیگر رفتن و درے دیگر گرفتن عبث و یاوہ باشد[1]

ترجمہ۔ اب (عملاً) دین کے چار ہی دائرے ہیں جو ان راہوں میں سے کسی ایک کو چُن لے اور ان دروازوں میں سے کسی ایک پر آ بیٹھے اس کے لیے کسی اور راہ کو اختیار کرنا یا کسی اور دروازے پر آ بیٹھنا فضول اور یاوہ (آوارگی) ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) مذہب حنفی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وایں مذہب باوجود کثرت متابعاں در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز و در استنباط طریق علیحدہ دارد و ایں معنی مبنی بر حقیقت است عجب معاملہ است۔ امام ابو حنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است و احادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت مے داند و برائے خود مقدم مے دارد ..... و دیگراں نہ چنیں اند[2]

ترجمہ۔ اور حنفی مذہب اصول و فروع میں اپنے پیروؤں کی کثرت کے ساتھ دوسرے مذاہب سے امتیاز اور استنباط مسائل میں اپنی ایک علیحدہ راہ رکھتا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اور عجیب بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں تمام اماموں سے آگے ہیں اور احادیث مرسل کو بھی احادیث مسند کے درجہ میں پیروی کے لائق سمجھتے ہیں اور اپنے قیاس پر اسے مقدم کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب اس طور پر نہیں ہیں۔

یعنی ان کے ہاں مرسل حدیث اپنے قیاس پر مقدم نہیں کی جاتی۔ اسی طرح وہ دوسرے ائمہ ضعیف حدیث پر اپنے قیاس کو مقدم ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] شرح سفر السعادۃ ص۲۱ [2] مکتوبات دفتر دوم ص۵۵ ۱۰۱/۱۰۸

اس وقت سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تک پوری امت کے اکابر تقلید شخصی پر جمع رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

هٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتدبها منها على جواز تقليدها الى يومنا هٰذا۔[1]

ترجمہ۔ یہ چار مذاہب جو مدون ہو چکے اور لکھے جا چکے پوری امت یا جو اس میں سمجھے جا سکتے ہیں ہمارے دور تک سب اس پر متفق ہیں۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

وفی ذٰلك كلها من المصالح مالا يخفٰى لاسيما فی هٰذه الايام التی قصرت الهمم جدًا واشربت النفوس الهوٰى واعجب كل ذی رای رايه۔[2]

ترجمہ اور ان تمام امور میں جو مصلحتیں ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ خصوصًا ان دنوں میں کہ ہمتیں بہت کمزور پڑ چکی ہیں۔ انسان خواہشاتِ نفس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے کا گرویدہ ہو رہا ہے۔

یعنی خواہشات اور خود پسندی کے اس دور میں ترکِ تقلید اور بڑی آفت ہو گی اور اس میں امت کے لیے اور بڑی ابتلاء ہے۔

ہندوستان میں امام ابو حنیفہؒ کی پیروی واجب ہے اور عامی کے لیے تقلید سے نکلنا شریعت کے پٹکے کو گلے سے اُتارنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

فاذا كان الانسان جاهلًا فی بلاد الهند او بلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابی حنيفة و يحرم عليه ان يخرج من

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صـ۱۲۳ [2] ایضًا صـ

مذهبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ..... ربقة الشریعة و یبقی سدًا مهملاً بخلاف ما اذا کان فی الحرمین [۱]

مثلاً کوئی انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی علاقے میں رہتا ہے جہاں کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم نہیں ہے نہ ان مذاہب میں سے کسی کی کتاب اس کے پاس ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرے اس کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے نکلنا حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ شریعت کا پٹکا ہی اپنی گردن سے اتارنے والا ہو گا اور وہ دین سے بالکل خالی ہو کر رہ جائے گا بخلاف، اس صورت کے کہ وہ حرمین میں ہو، جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی ملتے ہیں۔

یہ بارہویں صدی میں نظریۂ تقلید کی توثیق ہے۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی اس پر پوری طرح کاربند رہے۔ ان کے بعد ان کے جانشین استاذِ آفاق حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اس پر پوری طرح کاربند رہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

اتباع مسائل مذاہب اربعہ بدعت نیست نہ سیئہ نہ حسنہ بلکہ اتباع آنہا سنّت است [۲]

ترجمہ۔ مذاہب اربعہ کی پیروی کرنا بدعت نہیں ہے نہ سیّئہ اور نہ حسنہ۔ ان کے طریق پر چلنا ہی راہِ سنّت ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے ہیں :۔

ہرگز مقلد ایشاں را بدعتی نخواہند گفت۔ زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است [۳]

---

[۱] الانصاف صـ [۲] مائۃ مسائل صـ ۹۲ [۳] ایضاً صـ ۹۳

ترجمہ۔ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی نہ کہنا چاہیئے کیونکہ ان کی تقلید حقیقت میں باعتبار ظاہر و باطن حدیث شریف کی پیروی ہے۔ سو ان کے مقلدین کو بدعتی کہنا گمراہی ہے اور یہ موقف مستوجب سزا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی لکھتے ہیں:-

دراعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است۔[1]

ترجمہ۔ اعمال میں مذاہب اربعہ کی پیروی جیسا کہ سب اہل اسلام میں رائج ہے بہت اچھی بات ہے اور خوب ہے۔

فروعات میں مذاہب اربعہ کی پیروی کہ ان دنوں تمام اہل اسلام میں رائج ہے بہت اچھی بات ہے اور خوب ہے۔

غور کیجیئے! یہاں اس دور میں تمام عالم اسلام کو مذاہب اربعہ میں منسلک بتلایا ہے۔ معلوم ہوا ان دنوں ہندوستان میں کوئی گروہ غیر مقلدین کا نہ تھا۔ نہ ملک میں کوئی جماعت ترک تقلید کے نام سے پائی جاتی تھی۔ اگر کوئی اور گروہ ہو بھی تو آپ اسے اہل اسلام میں سے نہ سمجھتے تھے۔ اہل اسلام ان دنوں ان مذاہب اربعہ میں ہی پائے جاتے تھے۔

اسی عہد کے قریب قریب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (۱۲۰۶ھ) ہوئے ہیں۔ آپ بھی مقلد تھے اور حنبلی المذہب تھے۔ اب تک ان کے پیرو المسجد الحرام میں بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ نہیں پڑھتے۔ اگر وہ آمین اونچی آواز سے کہتے ہیں تو حنبلی ہونے کی وجہ سے، غیر مقلدین کے طور پر نہیں۔ نہ وہ ایک مجلس کی طلاق ثلثہ کو ایک طلاق کہتے ہیں۔ آل سعود آل شیخ کے مذہب پر ہیں اور یہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب جانتے ہیں۔

۱۲ محرم ۱۲۸۱ھ ہفتہ کے دن شاہ سعود اوّل مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے عقیدے کا

---

[1] صراط مستقیم ص

ان لفظوں میں اظہار فرمایا :-

سلف صالحین میں سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ آتے ہیں جن کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ۔۔۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد ائمہ اربعہ مجتہدین ہیں۔ ائمہ اربعہ کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ائمہ اربعہ سے علم حاصل کیا اور اسی طرح ہم تیسرے قرن تک کے بزرگوں کے اقوال و آثار کے ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔[1]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

"ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے طریقہ پر ہیں۔ چونکہ ائمہ اربعہ" ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ کا طریقہ منضبط ہے، اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے ۔۔۔۔ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔[2]

شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبد اللہؒ نے اپنے مسلک پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں کھل کر اپنے نظریہ تقلید کی تائید کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

ونحن ایضًا فی الفروع علٰی مذهب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علٰی من قلد الائمة الاربعة دون غیرهم لعدم ضبط مذاهب الغیر ۔۔۔۔۔ و نجبرهم علٰی تقلید احد الائمة الاربعة ولا نستحق مرتبة الاجتهاد و احد منا یدعیه۔[3]

ترجمہ: اور ہم فروعات میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور ہم ائمہ اربعہ

---

[1] رسالہ [2] ترجمہ مولانا اسماعیل غزنوی مطبع النور الاسلام امرتسر [2] ایضًا ص ۲۱ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی نے ترجمہ کے نیچے اپنا اختلافی نوٹ لکھ دیا کہ یہ چیز خلاف شریعت ہے۔ مولانا یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ سے علم میں زیادہ ہیں۔ [3] الشیخ محمد بن عبد الوہاب، ص ۵۲ تالیف الشیخ احمد بن حجر قاضی محکمہ شرعیہ قطر

کے مقلدین میں سے کسی پر (ترکِ حدیث کی) نکیر نہیں کرتے۔ یہ بات اور مذاہب کے لیے نہیں کیونکہ اور ائمہ کے مذاہب منضبط نہیں ہو پائے —
ہم لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند رکھتے ہیں اور اپنے لیے ہم اجتہاد کے مدعی نہیں نہ ہم (علمائے نجد) میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے
مولانا اسماعیل غزنوی کے اردو ترجمہ میں یہ عبارت ہے :-
مطلق اجتہاد کے نہ ہم مستحق ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار ہے[1]
ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کیا ہندوستان اور کیا سعودی عرب پوری دنیا میں ان دنوں کہیں بھی ترکِ تقلید یا سلف صالحین اور فقہاء و محدثین کے خلاف مسلمانوں میں کوئی تحریک تھی نہ ان دنوں انکار فقہ کے نام پر کوئی فرقہ کہیں پایا جاتا تھا نہ انکارِ حدیث کے نام پر برصغیر پاک و ہند میں کوئی تحریک موجود تھی۔
اس عہد کے قریب قریب علامہ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) شارح مسلّم الثبوت گزرے ہیں۔ ان سے تیرھویں صدی کا حال معلوم کریں :-

بل یجب علیھم اتباع الذین سبروا ای تعمقوا وبوبوا ای اوردوا ابواباً لکل مسئلۃ علیحدہ فھذبوا مسئلۃ کل باب ونقحوا کل مسئلۃ عن غیرھا وجمعوا بینھما بجامع وفرقوا بفارق و عللوا ای اوردوا لکل مسئلۃ علتہ وفصّلوا تفصیلاً وعلیہ بنیٰ ابن الصلاح منع تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ..... لان ذلک المذکور لم یدر فی غیرھم[2]

ترجمہ: لوگوں پر ان لوگوں کی اتباع ضروری ہے جنہوں نے دین کی گہرائی پائی (وہ مجتہد ہوئے) اور انہوں نے دین کے مسائل کو مختلف ابواب میں علیحدہ

---

[1] رسالہ ۲ صد ۲۲ معلوم رہے کہ یہ صرف حنفی نہیں جو مطلق اجتہاد کا دروازہ بند مانتے ہیں۔ سعودی عرب کے حنبلی علما کی بھی یہی صدا ہے۔ [2] فواتح الرحموت صد ۶۲۹

علیحدہ نکھارا۔ ہر باب کے مسائل کی تہذیب اور تنقیح کی اور ان کے مابین مشترک قدریں معلوم کیں اور مابہ الفرق امور معلوم کیے۔ ابن صلاح نے اسی بنا پر ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے اماموں کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ مذہب کی یہ تہذیب و تنقیح اور انضباط و تبویب، اوروں کے ہاں نہیں پائی گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فان اهل السنة والجماعة ..... لم یبق فی فروع المسائل سوی هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول من یخالف کلهم وقد قال الله تعالیٰ ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا[1]

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں رہا۔ اب جو ان سب کے خلاف چلے اس کے غلط ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلا ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف وہ چلا اور ہم اسے جہنم پہنچائیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالکيون والشافعيون والحنبليون ومن کان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة فی ذلک الزمان فهو اهل البدعة والنار[2]

ترجمہ۔ یہ فرقہ ناجیہ آج ان مذاہب اربعہ میں موجود ہے وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص اس دور میں ان مذاہب اربعہ سے باہر ہوگا وہ آگ

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص۶۴ آیت ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ آل عمران [2] طحطاوی علی الدر المختار ج

کے لیے ہے اور بدعتی ہے

انگریز حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں میں آزادئ فکر کے نام پر فرقے بننے لگے ترکِ تقلید کی پہلی اذان مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی نے دی اور جو لوگ ان کے گرد جمع ہوئے آپ ان کے شیخ الکل ٹھہرے ۔ تاہم مطلق تقلید کا انکار یہ حضرات بھی نہ کرتے تھے۔ تقلید اور اتباع میں کچھ فرق کر کے یہ تقلید کے خلاف اٹھے۔ ابتداء میں یہ تارکین تقلید موحد یا محمدی کہلاتے تھے جماعت کے لیے گورنمنٹ نے ابھی اہلحدیث کے نام کی منظوری نہ دی تھی۔

مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کا غیر مقلدین پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بڑی محنت اور رلجاجت سے انگریز حکومت سے جماعت کے لیے اہلحدیث کا لفظ منظور کرایا۔

بایں ہمہ یہ حضرات تقلید سلفی سے منکر نہیں اور تقلید کا اس درجہ اقرار کیے بغیر سعودی عرب میں انہیں کوئی پذیرائی نہیں ملتی۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم تاریخ تقلید کے ساتھ اس پر کچھ مختصر تبصرہ کریں کہ تقلید مطلق کیوں تقلید شخصی میں منتقل ہوئی۔ ازاں بعد ہم تاریخ ترکِ تقلید پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں طلبہ کو چاہیئے کہ تردید یا تائید کے جذبہ سے یکسر علیحدہ رہ کر مختلف فرقوں کے تاریخی پس منظر پر نظر رکھیں۔ اس سے مسلمانوں کی تاریخ سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

واللہ ولي التوفيق وبيده ازمة التحقيق۔

تقلید مطلق کس طرح تقلید شخصی میں منتقل ہوئی؟

تقلید مطلق ناواقف کے واقف سے پُوچھ کر چلنے کی ایک فطری راہ تھی۔ دُنیا کے جملہ انتظامی امور اس اعتماد سے چلے ہیں۔ سب لوگ ہر ایک فن یا لائن میں اس کے جاننے والے ہو جائیں۔ یہ عملاً ناممکن ہے۔ نہ سارے ڈاکٹر ہو سکتے ہیں، نہ انجینئر۔ نہ سارے تاجر بن سکتے ہیں نہ بیرسٹر۔ نہ سب اکاؤنٹنٹ ہو سکتے ہیں نہ پروفیسر — دُنیا میں ان سب اصناف بنی آدم کی اپنے اپنے دائرہ میں ضرورت ہے — سو شروع سے یہ انسانی فطرت رہی ہے کہ نہ جاننے والوں سے پوچھ کر چلیں اور اسی راہ سے انسان نے اپنی جملہ معاشی معاشرتی اور تمدنی ضرورتیں پُوری کی ہیں۔ اور اس پہ آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

دین کا پُورا علم اور کتاب و سنت کا پورا احاطہ ہر مسلمان کو میسر ہو۔ یہ بات عملاً ناممکن ہے اللہ رب العزت نے اس پیش آنے والی مشکل کو اسی اصول سے حل کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد فرمایا :-

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم تعلمون۔ (پ۱۴ النحل آیت ۴۳)

ترجمہ۔ تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تم جانتے نہیں۔

پہلے دور میں خیر غالب تھی۔ لوگ دین پر رضائے الٰہی کے لیے عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور حسب ضرورت اہل علم سے پوچھ کر چلتے تھے لیکن بعد کے زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوتے جو اہل علم سے راہِ عمل پوچھنے کے لیے نہیں اپنی سہولت ڈھونڈنے کے سوال کرتے اور جہاں اپنی خواہش کو تسکین ملے اور اپنی سہولت کو راہ ملے پیروی کا رُخ ادھر موڑ لیتے کہ چلو اس بات میں ان کے پیچھے سہی — خواہش نفس کی اس پیروی سے پُوری دینی زندگی کے معرض خطر میں جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اب ضرورت تھی کہ اس خطرے پر قابو پایا جائے۔

اکابر تابعین بعض بعض فروع میں بعض بعض معین صحابہؓ کی تقلید کرتے رہے ہیں (مثلاً یہ کہ فرائض اور وراثت کی بات ہو تو حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف رُخ کرتے تھے۔ حلال و حرام کا حکم معلوم کرنا ہو تو حضرت معاذؓ کی طرف رُخ کرتے۔ تفسیر پوچھنی ہو تو حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے) اس میں ان کی غرض محض رضائے الٰہی کا حصول ہوتا تھا ان حضرات کی اپنے اپنے باب علم میں عبقریت تھی۔ ان تابعین کے سامنے اپنے مفادات کی پرورش نہ تھی لیکن اگلے دور میں جب علم کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے اور مسائل اور فتاویٰ پھیل گئے تقلید مطلق جاری تھی۔ تاہم خواہش پرستی اور مفاد ذاتی کے لیے کچھ بندگانِ نفس اپنے مطلب کی تلاش میں لگے اور شریعت کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہوں نے اپنے لوائحِ عمل بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اب تقلید صرف تلاشِ علم کے لیے نہیں مفادِ نفس کے لیے بھی ہونے لگی۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر علمائے حق آگے بڑھے اور انہوں نے اختلافات اور گمراہی سے بچانے کے لیے اس تقلید کی حمایت کی جو اس خواہش پرستی کو روک سکے۔ اب اس نقطۂ نظر سے تقلید شخصی ضروری سمجھی جانے لگی —— پہلے تقلید شخصی موجود تو تھی لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔ اب اس نئے موڑ پر تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا۔ اس کا آغاز تیسری صدی کے آخر میں ہوا —— چوتھی صدی میں سب لوگ معین مذاہب پر آ گئے تھے۔

تقلید شخصی کوئی بدعت نہیں

تقلید شخصی عہدِ صحابہؓ میں بھی جاری تھی۔ گو اس جامعیت سے نہیں کہ سب صحابہؓ معین فقہائے صحابہؓ کے پیرو ہوں۔ تاہم اس کے مطلق وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب تیسری صدی میں اس کا اس جامع انداز میں پوری امت پر چھا جانا اور چوتھی صدی میں کسی کا تقلید مجتہد سے باہر نہ رہنا اسی اصل کی تکمیل ہے جو فقہاء صحابہؓ کی پیروی سے امت میں قائم ہوئی تھی۔ آگے صحابہؓ کے مذاہب کیوں نہ چلے؟ اس لیے کہ وہ مدوّن نہ ہوئے تھے۔ جن مجتہدین کے مذاہب مدون

ہوئے امت ایں انہی کی پیروی آگے چلی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضورؐ کے زمانے میں (تین راتوں کی باجماعت تراویح کے بعد) صحابہؓ متفرق طور پر متعدد جماعات میں تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں متعدد جماعات سے لاکر پھر ایک امام پر جمع کر دیا اور یہ شرعاً بدعت نہ تھی۔ گو ظاہراً ایک نئی بات دکھائی دے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کا تیسری صدی میں معین مذاہب پر آجانا اسی اصل کی ایک فرع ہے جو عہد صحابہؓ میں قائم ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے خود اپنے بعد کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتدار کا حکم دیا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ جیسے عظیم مجتہد کو بھی سیرت شیخینؓ کی پیروی کا پابند کیا تھا۔ اور پھر ان اسلاف کی پیروی ایسی ضروری سمجھی گئی کہ حضرت حسن ہاشمیؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے انہیں اس بات کا پابند کیا کہ کتاب و سنت کے بعد امت ایں بات چلے گی تو انہی خلفائے صالحین کی جو صدر اوّل سے ہوتے آئے ہیں۔

تقلید شخصی پر تیسری صدی کے بعد امت کا اجماع

جب تک امت عملاً تقلید معین پر جمع نہ ہوئی تھی تقلید مطلق کی گنجائش تھی۔ جب امت کا چوتھی صدی میں تقلید شخصی پر اجماع ہو گیا اور بالآخر صرف مذاہب اربعہ باقی رہے تو اب اُن کی پیروی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوتی تھی۔ اور تقلید سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا شمار ہوتا تھا۔ حالات بدلنے پر فتوے نئے حالات کو ساتھ سمیٹتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وبعد المائتين ظهرت فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان۔[1]

---

[1] الانصاف، ص ۴۲

ترجمہ۔ اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کی پیروی چلنے لگی اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مذہب (فقہ) پر اعتماد نہ کرتے تھے اور یہ اعتماد کرنا اس وقت واجب ہو چکا تھا۔

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هٰذه الاربعة کان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم والخروج منها خروجًا عن السواد الاعظم[1]

ترجمہ۔ اور جب ان چار مذاہب کے سوا دیگر مذاہب حقہ ناپید ہو گئے تو اب ان کی اتباع ہی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوئی۔ اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہی سمجھا جانے لگا۔

وهٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هٰذا وفى ذٰلك من المصالح ما لا يخفى۔[2]

ترجمہ۔ یہ فقہ کے چار مذاہب جو مدون ہوئے اور لکھے گئے پوری امت یا جسے بھی اس میں سمجھا جا سکے ان کا اس پر اجماع ہوا کہ ان کی تقلید جائز ہے اور یہ بات اب تک چلی آ رہی ہے اور اس میں اتنی بہتریاں ہیں کہ کسی پر مخفی نہیں۔
ہندوستان میں رہنے والوں کے لیے آپ فرماتے ہیں :۔

وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه۔[3]

ترجمہ۔ اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ آپ کے مذہب کی پیروی سے نکلے۔

من مذهبه سے مراد فقہ حنفی ہے نہ کہ حضرت امام صاحبؒ کی شخصی آراء ـــــ فقہ حنفی

---

[1] عقد الجید ص۳۸ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص۱۵۴ مصر [3] الانصاف ص۵۳

کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ علماء کے ایک جم غفیر میں مل پائی ہے جس میں بڑے بڑے محدثین فقہاء اور ائمہ ادب وعربیت شامل تھے۔

اب چوتھی صدی سے پانچویں میں چلیے:۔

(۱) ــــــ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

لو منعنا التقلید فی ھٰذہ المسائل التی ھی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذٰلک وفی ایجاب ذٰلک قطع عن المعایش وھلاک الحرث والماشیۃ فوجب ان یسقط۔[1]

ترجمہ: اگر ہم ان فروعی مسائل میں عوام کو تقلید سے روکیں تو پھر ہر کسی پر دین کی پوری تعلیم حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ اسے ہر کسی کے لیے ضروری ٹھہرانے میں دیگر اعمال معاش کھیتی باڑی اور نظم مواشی سب قطع و برباد ہو جائیں گے۔

یعنی لوگوں کو تقلید کے اس فطری حق سے محروم کرنے میں پوری دنیا کے نظم امور میں اختلال واقع ہوگا۔

(۲) ــــــ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وانما حق العوام ان یؤمنوا ویسلموا ویشتغلوا بعباداتھم ومعایشھم ویترکوا العلم للعلماء۔[2]

ترجمہ: دین کی بات عوام کے ذمہ صرف یہ ہے کہ ایمان لائیں اسلام قبول کریں عبادات میں مشغول رہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں لگیں علم اور تحقیق کے مسائل علماء کے لیے چھوڑ دیں۔

عوام اگر مسائل کی تحقیق میں پڑیں اور پختہ علم کے بغیر دین کو دلائل سے لینے لگیں دلائل میں وزن اور فیصلہ خود کرنے لگیں تو اس میں وہ کس خطرہ میں ہوں گے۔ اسے امام غزالیؒ کی

---

[1] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ صفحہ ۶۲ [2] احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۵

زبان سے ہی سُنیے :۔

وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لجۃ البحر وھو لا یعرف السباحۃ۔[1]

ترجمہ۔ وہ کفر کے خطرہ میں ہے اس طرح کہ وہ جانتا نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص ہو جو تیرنا نہ جانتا ہو اور دریا کے بھنور میں کود پڑے۔

اب چھٹی صدی میں چلیں۔ حضرت امام رازیؒ (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں :۔

فثبت ان الاستنباط حجۃ والقیاس اما استنباط او داخل فیہ فوجب ان یکون حجۃ ...... ثالثھا ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث۔[2]

ترجمہ۔ ثابت ہوا کہ استنباط حجت ہے اور قیاس یا استنباط ہو گا یا وہ استنباط میں داخل ہو گا۔ سو ضروری ہوا کہ یہ بھی حجت ہو ..... تیسری بات یہ ہے کہ عامی پر روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

اب ساتویں صدی میں چلیں اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) سے تقلید کی حقیقت سُنیں۔ آپ ائمہ کی تقلید کو اس درجہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ صحابہؓ کے مذاہب کو بھی مدوّن نہ ہونے کے باعث لائق تقلید نہیں ٹھہراتے ــــ آپ لکھتے ہیں :۔

ولیس لہ التمذھب بمذھب احد من ائمۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم و غیرھم من الاولین وان کانوا اعلم واعلی درجۃ ممن بعدھم لانھم لم یتفرغوا لتدوین العلم وضبط اصولہ وفروعہ فلیس لاحد منھم مذھب مھذب محرر مقرر وانما قام بذلک من جاء بعدھم من الائمۃ الناحلین لمذاھب الصحابۃ والتابعین القائمین بتمھید

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۲۵ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۷۲

احکام الوقائع قبل وقوعها الناهضین بایضاح اصولها و فروعها کمالک وابی حنیفہ[1]

ترجمہ: عامی کے لیے صحابہؓ میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے ان میں سے کسی کے مذہب کی پیروی لازم نہیں اگرچہ وہ حضرات علم میں بہت گہرے اور درجہ میں بہت اونچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو تدوین علم کے لیے اصول فقہ کے انضباط اور اس کی تفریعات کے لیے فارغ نہیں کیا۔ سو ان میں کسی کا تہذیب یافتہ مذہب جو قلمبند ہوا ہو اور طے ہوا ہو موجود نہیں۔ اس کام کے لیے وہ ائمہ اٹھے جو ان کے بعد آئے۔ یہ لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب کو جانچنے والے تھے۔ احکام وقائع کی تمہیدات ان کے واقع ہونے سے پہلے وہ قائم کیے ہوئے تھے اور ان کے اصول و فروع کی وضاحت کے لیے وہ پہلے سے اٹھے ہوئے تھے جیسے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ووجهه انه لو جاز اتباع ای مذهب شاء لافضی الی ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يودى الى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الاول فانه لم تكن المذاهب الوافية باحكام الحوادث مهذبة وعرفت فعلى هذا يلزمه ان يجتهد فى اختيار مذهب يقلده على التعيين[2]

ترجمہ: تقلید شخصی لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ انسان جس فقہ کی چاہے پیروی کرے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق تمام مذاہب کی آسانیاں چنے گا اور حلال و حرام اور وجوب و جواز کو

---

[1] المجموع شرح المہذب جلد ا صفحہ ۹۱ [2] ایضاً

اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شریعت کے احکام کی پابندیاں سب کھل جائیں گی پہلے دور میں ایسا نہیں تھا کیونکہ اس وقت فقہی مذاہب مہذب اور مرتب نہ تھے ــــ اب ہر شخص پر لازم ہے کہ پوری کوشش کر کے ایک مذہب چن لے اور پھر معین طور پر اسی کی تقلید کرے۔

اب آٹھویں صدی میں چلیں۔ یہاں بھی تقلید شخصی کی آواز اسی طرح بغیر کسی نکیر کے سنی جارہی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۲۸ھ) اس بحث میں کہ اب امام لیث بن سعد مصریؒ۔ امام اوزاعیؒ شامیؒ اور امام سفیان الثوریؒ کوفی کی تقلید کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ لکھتے ہیں کہ کتاب وسنت میں مطلق مجتہد کی پیروی کا حکم ہے۔ یہ فرق نہیں کیا گیا کہ فلاں مجتہد کی پیروی کی جائے اور فلاں کی نہیں ــــ سو جس امام کی تقلید کو ناجائز کہا جائے اس کی کچھ نہ کچھ وجہ تو سامنے ہونی چاہیئے۔ مجتہد تو سب ایک جیسے ہیں جہاں ایک کی پیروی جائز ہو گی دوسرے کی کیوں نہ ہو گی۔

ولیس فی الکتاب والسنۃ فرق فی الائمۃ المجتہدین بین شخص و شخص فمالک واللیث بن سعد والاوزاعی والثوری ھٰؤلاء ائمۃ فی زمانھم وتقلید کل منھم کتقلید الآخر لا یقول مسلم انہ یجوز تقلید ھٰذا دون ھٰذا[1]

ترجمہ: کتاب وسنت میں ائمہ مجتہدین میں ایک دوسرے کے مابین کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ سو امام مالک لیث بن سعد۔ امام اوزاعی اور سفیان الثوری یہ اپنے اپنے دور کے امام ہوئے اور ان میں ہر ایک کی تقلید دوسرے کی تقلید جیسی ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہ کہے اس کی تقلید جائز ہے اور اسکی نہیں۔

اپنی ضرورت کے مطابق مذہب بدلنے کی (تقلید شخصی سے نکلنے کی) کہاں تک اجازت ہے۔ اس پہ لکھتے ہیں :-

---

[1] فتاوٰے جلد ۲ ص۲۴۶

وقد نص الامام احمد وغیرہ علیٰ انہ لیس لاحد ان یعتقد الشیٔ واجبًا او حرامًا ثم یعتقدہ غیر واجب او محرم بمجرد ھواہ مثل ان یکون طالبًا لشفعۃ الجوار لیعتقدھا انھا حق لہ ثم اذا طلبت منہ شفعۃ الجوار اعتقدھا انھا لیست بثابتۃ ..... وقد نص احمد وغیرہ علیٰ ان ھذا لایجوز[1]

ترجمہ۔ امام احمد اور کئی دوسرے اماموں نے کھُل کر یہ بات کہی ہے کہ کسی شخص کے لیے روا نہیں کہ کسی چیز کو واجب یا حرام اعتقاد کرے اور پھر محض اپنی خواہش کے پیشِ نظر اسے غیر واجب یا غیر حرام اعتقاد کرنے لگے۔ مثلاً کوئی شخص ہمسائے کے حقِ شفعہ کو حق سمجھے اور مقدمے میں طالب ہو کہ یہ اس کا حق بنتا ہے۔ پھر جب اس سے کبھی شفعۃ الجوار مانگا جائے تو وہ کہے کہ اسلام میں شفعۃ الجوار ثابت نہیں۔ امام احمد اور کئی دوسرے ائمہ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے پھر لکھتے ہیں :۔

یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھویٰ ومثل ھذا لایجوز باتفاق الائمۃ۔[2]

ترجمہ۔ لوگ غرض و خواہش کے تحت کسی وقت اس امام کی تقلید کریں جو اس عمل کو فاسد قرار دیتا ہو اور کسی وقت اسکی جو اسے صحیح کہتا ہو تو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بالاتفاق الائمہ

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

لان ذٰلک یفتح باب التلاعب بالدین وفتح الذریعۃ الیٰ ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاھواء[3]

ترجمہ۔ اس سے دین کو کھیل بنانے دروازہ کھل جاتا ہے اور حلال و حرام کے فیصلے

---

[1] فتاوےٰ جلد ۲ صـ ۲۳۷ [2] ایضاً جلد ۲ صـ ۲۸۵ [3] ایضاً جلد ۲ صـ ۲۸۶

خواہشات سے کرنے کی راہ کھل جاتی ہے۔

وھذہ المذاھب الاربعۃ وللہ تعالیٰ الحمد فی العقائد واحدۃ الامن لحق منہا باھل الاعتزال او التجسم والا فجمہورھا علی الحق[1]

ترجمہ: اور یہ چاروں مذاہب عقائد میں ایک ہیں سوائے ان کے جو معتزلہ اور مجسمہ میں سے ان کے ساتھ آملے۔ ورنہ جمہور سب حق پہ ہیں۔

اور ایک اور دوسرے مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کے قائل نہیں قیاس کو حجت نہیں مانتے انہیں قضاء (عدلیہ) کا عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ (طبقات جلد ۲ ص۴۵)

آٹھویں صدی کے علامہ ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ) تقلید شخصی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ووقف التقلید فی الامصار عند ھؤلاء الاربعۃ ودرس المقلدون لمن سواھم وسد الناس باب الخلاف وطرقہ لما کثر تشعب الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الی رتبۃ الاجتہاد و لما خشی من اسناد ذٰلک الی غیر اھلہ ومن لا یوثق برایہ ولا بدینہ فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الی تقلید ھؤلاء کل من اختص بہ من المقلدین وحظروا ان یتداول تقلیدھم لما فیہ من التلاعب ولم یبق الا نقل مذاھبھم[2]

ترجمہ: اور بڑے بڑے شہروں میں تقلید ان چار اماموں پر آکر رک گئی ہے ان کے سوا دوسرے اماموں (جیسے امام اوزاعی۔ امام سفیان الثوری، لیث بن سعد مصری وغیرہ) کے مقلد ختم ہو گئے ہیں اور لوگوں نے (تقلید میں آکر) اختلاف کا

---

[1] معید النعم ومبید النقم ص۷۲ [2] مقدمہ ابن خلدون باب ۲ فصل ۷ ص۴۴۸ مصر

دروازہ اور اس کی تمام راہیں بند کر دی ہیں یہ اس لیے کہ عامی اصطلاحات کی پیچیدگی بڑھ گئی ہے مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا رک گیا ہے اور اس کا بھی خطرہ تھا کہ اجتہاد نا اہلوں اور ان لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا. بڑے بڑے علماء نے اجتہاد سے عجز اور درماندگی کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تقلید کی طرف لگا دیا. ہر شخص جس کی وہ تقلید کرتا ہے اس کے ساتھ رہے اور لوگوں کو اس سے ڈرایا کہ وہ ائمہ کی تقلید بدل بدل کر نہ کریں یہ تو دین سے کھیلنا ہو جائے گا. اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ بس انہی ائمہ کے مذاہب آگے نقل کیے جائیں.

علامہ ابن خلدونؒ نے تقلیدِ شخصی کا احساس جس دلنشین پیرایہ میں دلایا ہے اپنی مثال آپ ہے

آٹھویں صدی کے ایک جلیل القدر عالم علامہ ابو اسحٰق الشاطبی المالکیؒ (۷۹۰ھ) یہ بیان کرتے ہوئے کہ مختلف ائمہ کی پیروی سے انسان کس طرح خواہشات کا پیرو بن سکتا ہے اور مختلف مذاہب سے آسانیاں تلاش کرنے میں دین کو کیا کیا خطرے لاحق ہو سکتے ہیں. یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان ایک فقہ کے اندر رہ کر بھی غیر مفتی بہ قول کو اختیار نہ کرے. فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلے پر متعدد اقوال ملیں تو ان میں سے کسی غیر مشہور کو اختیار کرنا یہ بھی ایک پہلو سے خواہش پرستی پر مبنی ہو سکتا ہے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء آٹھویں صدی میں تقلید شخصی کے سوا اور کسی راہ سے دین کا تحفظ تسلیم نہ کرتے تھے. وہ سمجھتے تھے کہ ترکِ تقلید سے مسلمانوں میں وہ فکری اور عملی آوارگی پھیل سکتی ہے کہ پھر اس کو کسی طرف سے تحفظ نہ مل سکے ۔۔۔۔ علامہ شاطبیؒ اپنے مذہب کے حضرت علامہ مازریؒ سے نقل کرتے ہیں :-

ان الورع قل بل کاد یعدم والتحفظ علی الدیانات کذلک و کثرت الشہوات

وكثر من يدعي العلم ويتجاسر على الفتوىٰ فيه ولو فتح لهم باب في مخالفة المذهب لا تسع الخرق على الراقع وهتكوا حجاب هيبة المذهب وهذا من المفسدات التي لا خفاء بها۔[1]

ترجمہ: پرہیزگاری بہت کم رہ گئی ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیانتداری قائم رکھنے کا احساس مٹتا جارہا ہے خواہشات بڑھ گئی ہیں علم کے مدعی کئی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو فتوے دینے میں دلیر ہیں۔ اگر لوگوں کے لیے مالکی مذہب سے نکلنے کا دروازہ کھول دیا جائے تو پیوند لگاتے تار اور ٹوٹتے جائیں گے لوگ مذہب کی ہیبت کا پردہ چاک کردیں گے اور (تقلید شخصی کو ڈھیلا کرنے میں) وہ مفسدات پیدا ہوں گے جن پر کوئی پردہ نہیں۔

علامہ مازریؒ کی یہ نصیحت علامہ شاطبیؒ نے تحفظ دین کے جس دلسوز پیرایہ میں بیان کی ہے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تاہم علامہ شاطبیؒ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ فتوے قول مشہور کے خلاف نہ دیا جائے۔ لکھتے ہیں:۔

فلو فتح لهم هذا الباب لانحلت عرى المذهب بل جميع المذاهب۔[2]

ترجمہ۔ فقہ کے قول مشہور سے نکلنے کی راہ کھول دی جائے تو مذہب کے سب کڑے ٹوٹ جائیں گے بلکہ سب مذاہب کی بنیادیں ہل جائیں گی۔

نویں صدی کے علامہ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) مذہب معین کے التزام پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والغالب ان مثل هذه الالتزامات لكف الناس عن تتبع الرخص۔[3]

ترجمہ: زیادہ تر بات یہ ہے کہ اس قسم کے التزامات (کہ انسان ایک مذہب کی پیروی میں ہی رہے) اس لیے ہیں کہ لوگ مختلف مذاہب سے (خواہش نفس کے مطابق) آسانیاں

---

[1] الموافقات جلد ۴ ص ۱۴۶ [2] ایضاً ص ۱۴۷ [3] ماخوذ از فیض القدیر جلد ۱ ص ۲۱۱

تلاش کرنے سے باز رہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناوی (۱۰۰۳ھ) اس سے پہلے یہ کہہ آئے ہیں:۔

لا یجوز تقلید الصحابة وکذا التابعین کما قاله امام الحرمین من کل من لم یدون مذهبه فیمتنع تقلید غیر الاربعة فی القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت و تحررت حتی ظهر تقیید مطلقها وتخصیص عامها بخلاف غیرهم لانقراض اتباعهم وقد نقل الامام الرازی امام المحققین علی منع العوام من تقلید الصحابة واکابرهم[1]

ترجمہ: صحابہؓ اور تابعینؒ کی تقلید اور اس شخص کی جس کا مذہب مدون نہیں ہوا جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے جائز نہیں۔ سو قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید کو راہ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مذاہب اربعہ عام ہو چکے اور لکھے جا چکے۔ اس کے مطلق میں کہاں کہاں قید ہے اور اس کے عام میں کہاں کہاں تخصیص ہے یہ سب باتیں ظاہر ہو چکیں بخلاف دوسرے ائمہ کے جن کے پیرو باقی نہیں رہے اور امام فخرالدین رازیؒ نے تو علماء محققین کا اس پہ اجماع نقل کیا ہے کہ لوگوں کو صحابہؓ اور دوسرے اکابر کی تقلید سے روکا جائے۔

یعنی تقلید چلے گی تو فقہ کے انہی مذاہب اربعہ کی کیونکہ ان کی فقہ مدون ہو چکی ہے اور اس کے اصول و فروع تقیید مطلق تخصیص عام وغیرہ سب امور جانے جا چکے ہیں۔ اب ہر شخص پہ جو اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچا، ان مذاہب اربعہ سے کسی ایک مذہب کی پیروی ضرور ہوگی۔

وعلی غیر المجتهد ان یقلد مذهبًا معینًا۔[2]

ترجمہ: اور جو مجتہد نہیں اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی معین مذہب کی تقلید کرے۔

اب آیئے گیارہویں صدی میں چلیں۔ شارح بخاری علامہ محمد بن علاء الدین (۱۰۸۸ھ)

---

[1] فیض القدیر جلد ۱ ص۲۱۰ [2] ایضاً

صاحب درمختار لکھتے ہیں اور اس صدی کے کسی دوسرے عالم نے اس پر نکیر نہیں کی :-

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً و ھو المختار فی المذھب۔[1]

ترجمہ۔ فقہار میں سے کسی کے قول مرجوح کو لینا اور اس پر قضار اور فتوے دینا ایک جہالت اور اجماع امت توڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی کسی امام کی بات لینا اور کبھی دوسرے کی۔ یہ تلفیق کا انداز باطل بالاجماع ہے۔ کسی ایک کی فقہ پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس کی تقلید سے ہٹ جانا بالاتفاق باطل ہے اور مذہب مختار یہی ہے۔

علامہ شامی اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں :-

ایک شخص وضوء سے تھا کہ اس کا خون بہا (حنفی مذہب میں اس کا وضوء جاتا رہا اور شافعی مذہب میں وہ وضوء سے ہے) پھر اس کا ہاتھ کسی عورت سے چھو گیا (اب شافعی مذہب میں اس کا وضوء گیا اور حنفی مذہب میں یہ ناقض وضوء نہیں) اس نے نماز پڑھی۔ اس نماز کی صحت مذہب شافعی اور حنفی کی تلفیق ہوگی ــــ اور تلفیق باطل ہے سو اس کی نماز نہ ہوئی۔

مثالہ متوضی سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحۃ ھٰذہ الصلاۃ ملفقۃ من مذھب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ۔[2]

خون بہنے سے اگر وہ اس یقین پر تھا کہ وضو نہیں ٹوٹا تو شافعی مذہب کی عظمت اور ہیبت اس پر محیط تھی تو عورت کو چھونے سے جب شافعی مذہب پر اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اب اس فقہ کی عظمت اور ہیبت یکایک اس کے دل سے کیسے نکل گئی۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ شریعت کے کسی فتوے کی اس کے

---

[1] درمختار بحاشیہ شامی جلد ۱ صہ ۶۹ [2] ردالمحتار جلد ۱ صہ ۶۹

دل پر ہیبت نہ ہو اور اس نے مذہب کو کھلونا بنا رکھا ہو۔ یہ تلفیق ہے جو ہرگز جائز نہیں۔

اب آیئے ہم آپ کو بارہویں صدی میں لے چلیں۔ حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تقلید شخصی سے نکلنے کے مفاسد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے۔

باب تاکید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعۃ والتشدید فی ترکہا والخروج عنہا[1]

ترجمہ۔ یہ باب اس تاکید میں ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی ضروری ہے ان کو چھوڑنا اور ان کی تقلید سے نکلنا ایک بڑا خطرناک قدم ہے۔

اس میں آپ نے مذاہب اربعہ کی پیروی میں اسی مصلحت کی نشاندہی کی ہے جو آپ ایک ہزار سال سے سنتے چلے آرہے ہیں اور اسے چھوڑنے میں آپ نے وہی مفاسد بتلائے ہیں جو آپ سے پہلے کے علمائے حق بیان کرتے آئے ہیں۔

یہ اسلام کی بارہ صدیوں کی شہادت ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے یہ پوری امت کی متفقہ آواز ہے ہر مسلک کے بڑے بڑے علماء وہ حنفی ہوں یا مالکی۔ شافعی ہوں یا حنبلی۔ عراقی ہوں یا شامی۔ جہاں جہاں بھی مسلمان پھیلے تھے ان کے سرکردہ علماء نے چوتھی صدی سے لے کر بارہویں صدی تک ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کو تحفظ دین کی واحد صورت قرار دیا ہے اور اس سے نکلنے میں الحاد و گمراہی کے وہ سیاہ بادل اُمڈے دیکھے ہیں کہ الامان ——— الحفیظ ——— اور اب جب تیرہویں صدی کے بعد برٹش انڈیا میں اس قلعے میں پہلا شگاف لگا تو دُنیا نے دیکھا کہ دین میں آزادی فکر پیدا ہونے کے جو خطرناک نتائج بارہویں صدی تک کے ان علماء نے بیان کیے تھے وہ سامنے آکر رہے اور آج مسلمانوں کی جو خطرناک فرقہ وارانہ حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دُنیا دیکھ چکی ہے کہ انکار فقہ نے انکار حدیث کی راہیں نکالیں اور

---

[1] عقد الجید ص

اب فرقہ انکارِ حدیث اسی طرح مسلمانوں کو انکارِ قرآن کی دہلیز پر لا رہا ہے۔

ایک سوال

تقلید شخصی جب پہلی تین صدیوں میں واجب نہ تھی، تقلید مطلق سے کام چل جاتا تھا تو چوتھی صدی سے علماء اس کو واجب کیوں کہنے لگے۔ جو بات کل واجب نہ تھی وہ آج کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

الجواب، واجب دو قسم کے ہیں ایک واجب اصلی اور دوسرا وہ واجب جو بذاتِ خود تو واجب نہ ہو لیکن کسی اور واجب تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔ اس تک پہنچنا بدوں اس کے ممکن نہ ہو یہ واجب لغیرہ ہے اس دورِ پُرفتن میں جب فکری آزادی کی لہریں بہت سفینے ڈبو چکی ہیں اسے واجب کہنے سے چارہ نہیں۔ اب یہ بات کسی صاحب درد سے مخفی نہیں کہ ان دنوں تحفظِ دین کی صورت مذاہب اربعہ کی پیروی کے سوا اور کوئی نہیں رہی۔ کتاب و سنت کے منصوص مسائل کے بعد غیر منصوص مسائل اب نئے سرے سے طے نہ کیے جائیں بلکہ پہلے مجتہدین جو انہیں طے کر گئے ہیں انہی کی پیروی کر لی جائے

ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر اقتدار رفتگاں محفوظ تر

چار مثالیں

(۱)— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن کریم کو یکجا کرنا واجب نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں صحابہؓ کے اجماع سے اسے یکجا کرنا ضروری قرار پایا —— یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

(۲)—— سلف کے ہاں حدیث لکھنا ضروری نہ تھا۔ روایت حدیث سے سارا کام چل جاتا تھا اب وقت گزرنے اور دائرہ امت پھیلنے سے اس کا لکھنا اور اسے کتابوں سے پڑھنا ضروری ہو گیا ہے —— یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

(۳) —— سلف میں صرف و نحو اور لغت و ادبیات کا سیکھنا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا عرب اہلِ زبان ہونے کے ناطے قرآن و حدیث کی زبان سمجھ لیتے تھے۔ آج ہمارے مدارس میں ان کا پڑھنا پڑھانا ضروری ہو گیا ہے —— کیوں ؟

یہ اس لیے کہ ان کے بدون کتاب و سنت کی زبان سمجھی نہیں جا سکتی۔

(۴) —— اسی طرح یہ سمجھ لیا جائے کہ ایک وقت صاحب مطلق تقلید کافی تھی تقلید شخصی واجب نہ تھی اور اب ایسا وقت آ گیا کہ مسائل غیر منصوصہ میں اور مسائل منصوصہ متعارضہ میں اخذ مسائل اور حل مسائل کی اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ پہلی صدیوں کے مجتہد ائمہ علم کی پیروی واجب سمجھی جائے بشرطیکہ ان کے مذاہب تک ہماری رسائی ہو اور ان کے مذاہب کی مدونہ کتابیں ہماری رسائی میں ہوں۔ سو اس پہلو سے تقلید شخصی واجب ہے لان مقدمۃ الواجب واجبۃ۔

اس شبہے کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ رح نے یہ دیا ہے :-

قلت الواجب الاصلی ہو ان یکون فی الامۃ من یعرف الاحکام الفرعیۃ من ادلتہا التفصیلیۃ اجمع علیٰ ذٰلک اہل الحق ومقدمۃ الواجب واجبۃ فاذا کان للواجب طرق متعددۃ وجب تحصیل طریق من تلک الطرق من غیر تعیین فاذا تعین لہ طریق واحد وجب ذالک الطریق بخصوصہ۔[1]

ترجمہ۔ اصل واجب یہ ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہوں جو شریعت کے فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتے ہوں اور اس پر اہلِ حق کا اجماع ہے اس واجب تک پہنچنے کی جو راہ ہو گی وہ بھی واجب ٹھہرے گی جب کسی واجب تک پہنچنے کے لیے کئی راہیں ہوں تو ان راہوں میں سے کسی کو اختیار کر لینا بغیر کسی تعیین کے واجب ہو گا اور جب اس کے لیے ایک ہی راہ ہو تو اب اس خاص راہ

---

[1] الانصاف ص

کو اختیار کرنا واجب ہوگا۔

قرآن کریم میں کہا گیا تھا کہ اس امت میں ایک طبقہ تفقہ فی الدین کے لیے فارغ ہونا چاہیے اور دوسرے ان کے پیچھے لگیں۔ اب اس دور میں امت میں اگر وہ طبقہ مجتہد مطلق کا نہیں ہے اور علم دین کی محنت میں ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں، ہر ایک اپنی رائے میں مست ہے تو اب اس رجوع الی المجتہد المطلق کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کی اب صرف ایک ہی راہ ہے کہ جن مجتہدین کے مذاہب کتابی شکل میں مدوّن، مرتب، اور شرح در شرح کے ساتھ واضح چلے آ رہے ہوں ان میں سے کسی کی پیروی کر لی جائے۔ یہ تقلید کی راہ ہے اور تقلید اس راہ سے واجب ہے۔

مقدمۃ الواجب واجبۃ۔

اب ان مختلف طریقوں کے اپنانے میں انسان کی ہوائے نفس اور سہولت پسندی کی کوئی راہ نکلتی ہو تو تقلید مطلق سے اس واجب اصلی کا تقاضا پورا نہ ہوگا اور اس تک رسائی کے لیے تقلید شخصی واجب قرار دینی ہوگی — لان مقدمۃ الواجب واجبۃ۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ کچھ نظیریں پیش کرتے ہیں کہ کبھی وہ چیز جو پہلے واجب نہ ہو حالات بدلنے پر واجب ہو جاتی ہے اور یہ شریعت کی جامعیت ہے کہ ہر قسم کے حالات کے مطابق اس میں عملی راہ نکل آتی ہے — آپ لکھتے ہیں:-

کان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار یومنا ھٰذا کتابۃ الحدیث واجبۃ لان روایۃ الحدیث لا سبیل لھا الیوم الا معرفۃ الکتب وکان السلف لا یشتغلون بالنحو واللغۃ وکان لسانھم عربیًا لا یحتاجون الی ھٰذہ الفنون ثم صار یومنا ھٰذا معرفۃ اللغۃ العربیۃ واجبۃ لبعد العھد عن العرب الاوّل وشواھد ما نحن فیہ کثیرۃ جدًا وعلی ھٰذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید لامام بعینہ فانہ قد یکون واجبًا وقد لا یکون واجبًا۔[1]

---

[1] الانصاف ص

ترجمہ: سلف احادیث کو عام نہ لکھتے تھے پھر آج یہ حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ آج ان کتابوں کی معرفت کے بغیر روایتِ حدیث کی اور کوئی راہ نہیں اور اسی طرح سلف علم نحو اور علم لغت میں وقت نہ لگاتے تھے ان کی اپنی زبان عربی تھی اور وہ ان فنون کے محتاج نہ تھے۔ لیکن آج معرفتِ لغتِ عربی واجب ہوگئی ہے۔ کیونکہ ہم زماناً عربِ اوّل سے بہت دور رہیں اور جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس کے شواہد اور بھی بہت سے ہیں اور چاہیئے کہ تقلید شخصی کا مسئلہ بھی اس پر منطبق کیا جائے کہ یہ بعض حالات میں واجب ہوتا ہے جبکہ بعض دوسرے حالات میں یہ واجب نہ تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اس فیصلے پر یہ تفصیلی بیان دیا ہے :-

وکان ھٰذا ھو الواجب فی ذٰلک الزمان [1]

ترجمہ: ایک معین مجتہد کی تقلید کرنی اس زمانے میں واجب ہو چکی ہے۔

یہ رائے بارہویں صدی کے مجدد اور امت کے اس حکیم کی ہے جس کے بارے میں نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں :-

اگر وجودِ او در صدرِ اوّل در زمانہ ماضی بودے امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ مے شد [2]

ترجمہ: اگر ان کا وجود پچھلے دور کے صدرِ اوّل میں ہوتا تو آپ امام الائمہ اور مجتہدین کے تاج سمجھے جاتے۔

آیئے اب اس کے برعکس ایک دوسری مثال لیجئے۔ ایک چیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جائز تھی حالات کے بدلنے پر کیسے ناجائز ہوگئی۔ حالات کی رعایت نہ ہو تو دین باقی رہتا ہے نہ فتوے کی آبرو باقی رہتی ہے۔

---

[1] الانصاف صـ [2]

ل

یہ امت حفاظت قرآن پر مامور ہے اور اس پر واجب ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کرے تاہم اسے اختیار دیا گیا تھا کہ وہ احرف سبعہ میں جس طرح چاہے اس کی تلاوت کرے ــــ حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہے تو حالات بدلنے سے قرآن کریم کا تحفظ خطرے میں پڑ جائے گا تو انہوں نے صرف حرف قریش پر قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت باقی رکھی۔ باقی چھ حروف روایۃً رہنے دیئے۔ تلاوۃً ان سے منع کر دیا۔ رسم الخط میں یہی ایک طریق رہا۔ حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں :-

لعلة من العلل اوجبت عليها القرأة علی حرف واحد .... قرأته بحرف واحد ورفض القرأة بالاحرف الستة الباقية۔[۱]

ترجمہ۔ اسباب میں سے کوئی سبب ہو قرأت ایک ہی حرف پر باقی رکھی گئی اور چھ دوسرے احرف چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا۔ اس وقت سے لے کر آج تک قرآن کریم کی تلاوت بس اسی حرف واحد پر چلی آرہی ہے۔

سو پہلی تین صدیوں کی غیر معین تقلید نے اگر آگے چل کر معین تقلید کی صورت اختیار کر لی اور اس وقت سے لے کر آج تک امت تقلید شخصی پر چلی آرہی ہے تو اس میں کوئی نسبت تضاد نہیں ہے۔ ہر حال کے اپنے تقاضے تھے جو ان حضرات نے پورے کیے۔

چودھویں صدی میں مذہبی آزادی کی لہر

ہندوستان میں انگریزوں نے آزادی رائے کے نام سے مسلمانوں کو تقلید کے خلاف اکسایا اور چودھویں صدی میں کچھ مسلمان اس کے خلاف اُٹھے۔ پیشتر اس کے کہ ہم تاریخ ترک تقلید پر کچھ عرض کریں ہم چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا اس موضوع پر مختصر تبصرہ نقل کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ترک تقلید کی جڑ بدگمانی ہے اور تقلید کی اساس حسن ظن پر ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن جریر جلد ۱ صد ۱۹

تقلید کی بنا حسن ظن پر ہے اور ترک تقلید کی جڑ بدگمانی ہے

آج کل جو لوگ تقلید کے تارک اور خود اجتہاد کے مدعی ہیں ذرا ان کے قریب ہو کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں نہ علم میں بصیرت، نہ تقوے وخشیت نہ حالات پر نظر نہ وحدتِ امت کی فکر مگر جوشِ اجتہاد میں مجتہد بنے بیٹھے ہیں سلف سے بدگمانی ہے اور خود مقتدار بننے کی ٹھانی ہے — صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں ایک دوسرے پر اعتماد تھا. انہیں اتحاد کی دولت حاصل تھی اور ان میں تقلید جاری تھی گو شخصی نہ ہو اور شخصی سے بھی انہیں انکار نہ تھا تاہم وہ بداعتمادی اور بدگمانی کا شکار نہ تھے. بدگمانی کا شر شیعوں سے چلا ہے اور حسن ظن اور اعتماد صحابہؓ وتابعینؒ سے — یہی وجہ ہے کہ ائمہ سے بدگمانی بدزبانی تک لے آتی ہے اور شیعوں کا چھوٹا بھائی بنا دیتی ہے. حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ ایسے لوگوں کو صریحاً تبرائی قرار دیا.

> (آج کل) ایک طبقہ مدعیان اجتہاد کا ہے..... ان میں خصوصیت سے ایک بات ایسی بُری ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی. وہ یہ ہے کہ ان میں مرض ہے بدگمانی کا. پھر اس سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے. بزرگوں کی شان میں بدزبانی کرنا یا ان کی طرف بدگمان کرنا نہایت ہی خطرناک چیز ہے. میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں کے معتقد بنو معتقد ہونا فرض نہیں. مگر بدگمانی سے بچنا تو فرض ہے.... اگر یہ نہیں تو پھر شیعوں کی طرح یہ بھی ایک اچھا خاصہ تبرائی فرقہ ہے[1]

ائمہ کے گستاخوں کو اسی لیے چھوٹے شیعہ کہتے ہیں بڑے شیعہ صحابہؓ کو بُرا کہتے ہیں اور یہ ائمہ مجتہدین کو خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کو —— اور یہ بات بقول حضرت مولانا داؤد غزنویؒ درست ہے کہ ان نام کے اہلحدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بددعا لے بیٹھی ہے. یہ لوگ اگر کچھ حسن ظن سے کام لیتے ہیں تو اپنے علماء کے بارے میں ائمہ کرام کے بارے میں ان کے پاس بدگمانی کے سوا کچھ

---

[1] الافاضات جلد ۷ ص۵

نہیں — حسن ظن اگر کسی اعتبار سے جائز ہے تو ائمہ کے بارے میں کیوں نہیں —— حضرت تھانویؒ سے ایک واقعہ سنیئے :-

ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی. میں نے کہا کہ تقلید کا مدار عدم دلائل نہیں بلکہ حسن ظن ہے، چنانچہ آپ کو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ پر اعتماد ہے، حسن ظن ہے. یہ سمجھتے ہو کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن و حدیث سے ہی کہتے ہیں. اس لیے ان کے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے. حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ ادھر ادھر فتوے لگاتے چلے جاتے ہیں، لکھتے چلے جاتے ہیں اور دور تک کہیں آیت و حدیث کا پتہ نہیں نہ کوئی دلیل ہے — اپنے دعوے کے اثبات میں. اور اس سے بڑھ کر تماشا یہ ہے کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں اور بدوں ان دلائل کے جواب دیئے ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں کرتے —— سو اسی طرح ہم کو امام ابو حنیفہؒ پر اعتماد اور حسن ظن ہے ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں. اس لیے دلائل تفصیلیہ کا انتظار نہیں کرتے. اب بتلائیے کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے. کہنے لگے بالکل صحیح ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بھی بعض علماء حسن ظن کو گناہ نہیں سمجھتے گناہ بدگمانی ہے ان بعض الظن اثم —— غیر مقلد حضرات اگر ائمہ کرام کے بارے میں حسن ظن پر آجائیں تو مقلدین اور غیر مقلدین کے عملی اور فکری فاصلے بہت کم ہو جاتے ہیں. فقہاء ہی علم کے گہرے سمندروں میں تیرتے ہیں اور یہ بے شک انہی کا حق ہے. حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :-

فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے احکام پر بھی علل احکام پر بھی سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے ایسی دین کی خدمت کی ہے حق تعالیٰ ان

[1] الافاضات جلد ۲، صد ۵۳

کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگر فقہا کی ذات دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیرا ہوتا۔ دین کے ہر مسئلہ کو روشن اور واضح کر دیا۔ اگر فہم سلیم اور عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔[1]

الشعراء تلامیذ الرحمٰن آپ نے بارہا سنا ہو گا۔ یہ بات، بطور اصول سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن شاعر جب بولتا ہے تو لوگ اس کے تخیل کی پرواز کو دیکھتے ہیں اور ششدر رہ جاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات، الہاماً ان کے دل میں اُتری ہو گی۔ اسی طرح فقہاء کی فکری گہرائی بھی پاٹنے میں نہیں آتی۔ حضرت امام شافعیؒ نے درست فرمایا کہ جب امام محمد بن حسنؒ بولتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا وحی اُتر رہی ہو۔ حضرت تھانویؒ نے سچ فرمایا کہ ان حضرات کو (فقہائے کرام) کو الہام ہوتا تھا جس سے شریعت پھیلتی تھی اور ہر غیر اسلامی بات کو قبول نہ کرنے سے رُکتی تھی۔ شریعت مجتہدین کے اجتہاد سے غیر منصوص مسائل میں پھیلتی ہے اور بدعت کو اپنے اندر سمونے سے ابا کرتی ہے۔ اسے ہی جامع اور مانع عمل کہتے ہیں یہ اصول کی بات ہے۔ رہا شریعت کا فروع کے اختلاف میں وسیع ہونا۔ سو یہ تضاد اور انتشار کا موجب نہیں۔ یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

امام ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ ھ) ان فروعی اختلافات کے بارے میں ص۹۴ میں لکھتے ہیں:۔

واما بالنسبة الیٰ امام فی فروع الدین کالطوائف الاربع فلیس بمذموم فان اختلاف فی الفروع رحمة و المختلفون فیہ محمودون فی اختلافھم مثابون فی اجتھادھم واختلافھم رحمة واسعة واتفاقھم حجة قاطعة۔[2]

ترجمہ: جو اختلافات فروع میں ائمہ کی نسبت سے ملتے ہیں جیسے احناف سے۔ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے اختلافات تو یہ اختلافات ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ فروع میں اختلاف رحمۃ ہے اور یہ اختلاف کرنے والے اپنی جگہ سب لائق تعریف ہیں اور اپنے اپنے اجتہادات میں ثواب یافتہ ہیں۔ آپس میں مختلف ہیں تو یہ اعمال کی وسعت ہے اور کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اب ان کا اجماع اسلام میں حجۃ قاطعہ ہے (جس سے کسی کو انکار کی اجازت نہیں)۔

---

[1] الافاضات جلد ۷ ص۸۴